میں نے عرض کیا: میری چاہت یہی ہے! آپ نے فرمایا: «فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» ''تو پھر اپنے لیے بہت زیادہ سجدوں کے ساتھ میری مدد کرو۔'' [1]

مستحب اور بہتر یہ ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھی جائے: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی (فرض) نماز مسجد میں ادا کرلے تو اپنی نماز میں سے کچھ حصہ گھر کے لیے رکھ لے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں اس نماز کی وجہ سے خیر رکھے گا۔'' [2]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو عبدالاشہل کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا فرمائی تو (آپ نے دیکھا کہ) کچھ لوگ نفل، یعنی مغرب کی سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوتِ» ''یہ نماز گھروں میں پڑھا کرو۔'' [3]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ! فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ»

''اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہی ہے جو وہ گھر میں پڑھتا ہے، سوائے فرض کے۔'' [4]

نفل نماز کی اقسام: نفل نماز دو طرح کی ہے: ایک مطلق اور دوسری مقیَّد۔

مقید نوافل سے مراد وہ معروف سنتیں ہیں جو فرض نمازوں سے پہلے یا بعد پڑھی جاتی ہیں جنھیں سنن راتبہ بھی کہتے ہیں اور یہ دو قسم کی ہیں: موکدہ اور غیر موکدہ۔ موکدہ سنتیں (جو زیادہ تاکیدی ہیں) دس یا بارہ رکعات ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں۔ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں، دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ [5]

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل السجود، والحث عليه، حديث: 489. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة النافلة في بيته......، حديث: 778. [3] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في الصلاة بعد المغرب أنه في البيت أفضل، حديث: 604، وله شاهد في مسند أحمد: 427/5. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب صلاة الليل، حديث: 731. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، حديث: 937 و 1180، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن......، حديث: 729.

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ»

''جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں، اس کے لیے ان کے بدلے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔''[1]

مسلم ہی میں اس روایت کے بعض طرق میں ان کے ''نفل نماز'' ہونے کی صراحت آئی ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ»

''نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت اور نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنت نہیں چھوڑتے تھے۔''[2]

غیر مؤکدہ سنتیں: (1) عصر سے پہلے چار رکعتیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللهُ امْرَءًا صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ»

''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتا ہے۔''[3]

(2) مغرب سے پہلے دو رکعتیں: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ» ''نماز مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔'' پھر تیسری بار فرمایا: ''جو چاہے۔''

آپ نے ناپسند فرمایا کہ لوگ کہیں اس کو لازمی سنت ہی نہ بنا لیں۔[4]

(3) عشاء سے پہلے دو رکعتیں: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ» ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ»

''ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔'' پھر تیسری بار فرمایا: ''جو چاہے۔''[5]

رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کسی نفل نماز کی اس قدر پابندی نہیں فرماتے تھے جس قدر فجر کی سنتوں کی کرتے تھے۔[6]

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن وبيان عددهن، حديث: 728. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب الركعتين قبل الظهر، حديث: 1182. [3] [صحيح] سنن أبي داود، التطوع، باب الصلاة قبل العصر، حديث: 1271، ومسند أحمد: 117/2. [4] صحيح البخاري، التهجد، باب الصلاة قبل المغرب، حديث: 1183. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب بين كل أذانين صلاة لمن شاء، حديث: 627. اسی سے عصر اور مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ (عبدالولی) [6] صحيح البخاري، التهجد، باب تعاهد ركعتي الفجر ومن سماهما تطوعًا، حديث: 1169، قبل الحديث: 1170، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما......، حديث: 724.

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا» ''فجر کی دو رکعتیں دنیا اور جو اس کے اندر ہے، اس سے بڑھ کر (قیمتی) ہیں۔''[1]

فجر کی سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں بہت ہلکی پڑھا کرتے تھے حتی کہ میں کہتی تھی: بھلا آپ نے فاتحہ بھی پڑھی ہے؟''[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فجر کی سنتوں میں ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کی قراءت فرمائی۔[3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں سے پہلی رکعت میں ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾[4] جو سورۂ بقرہ میں ہے اور دوسری میں ﴿آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[5] پڑھا کرتے تھے۔[6]

فجر کی سنتوں کے بعد دائیں کروٹ لیٹنا سنت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ جب فجر کی دو رکعتیں پڑھ لیتے، پھر اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ ﷺ مجھ سے باتیں کرتے ورنہ دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔[7]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راجح اور افضل یہی ہے کہ یہ عمل سنت ہے۔[8]

علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر کہتے ہیں کہ یہی بات قریب تر ہے اور آپ علیہ السلام کا اس عمل کی پابندی نہ کرنا اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ پھر لیٹنے کے لیے مسنون یہی ہے کہ آدمی اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے۔[9]

وتر سنت موکدہ ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وتر فرض نماز کی طرح واجب اور لازم نہیں لیکن سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے اختیار فرمایا ہے۔[10]

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما وتخفيفهما و المحافظة عليهما وبيان ما يستحب أن يقرأ فيهما، حديث: 725. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب ما يقرأ في ركعتي الفجر، حديث: 1171 قبل الحديث: 1162، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، والحث عليهما......، حديث: 724. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما......، حديث 726. [4] البقرة 136:2. [5] آل عمرٰن 52:3. [6] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما......، حديث: 727. [7] صحيح البخاري، التهجد، باب الضجعة على الشق الأيمن بعد ركعتي الفجر، حديث: 1161,1160، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل......، حديث: 743. [8] شرح صحيح مسلم للنووي: 34/6. [9] سبل السلام شرح بلوغ المرام، حديث: 341. [10] [صحيح] جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء أن الوتر ليس بحتم، حديث: 454، وسنن النسائي، قيام الليل، باب الأمر بالوتر، حديث: 1677.

وتر کا وقت نمازِ عشاء کے بعد ساری رات ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے سب اوقات میں وتر پڑھے ہیں۔ آپ کے وتر کا آخری وقت سحر تک پہنچا ہے۔ [1]

خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدْ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ، وَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمْرِ النَّعَمِ، وَهِيَ الْوِتْرُ، فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلٰى طُلُوعِ الْفَجْرِ»

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک اضافی نماز عنایت فرمائی ہے جو تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر قیمتی ہے اور وہ نماز وتر ہے جس کا وقت تمھارے لیے اس نے نماز عشاء سے لے کر طلوع فجر تک مقرر کیا ہے۔“ [2]

جسے اندیشہ ہو کہ پچھلی رات نہیں اٹھ سکے گا تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اول رات ہی میں پڑھ لے اور جسے غالب امید ہو کہ پچھلی رات جاگ جائے گا، اس کے لیے تاخیر کرنا مستحب ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ خَافَ أَنْ لَّا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ، ثُمَّ لْيَرْقُدْ، وَمَنْ وَّثِقَ بِقِيَامٍ مِّنَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ مِنْ آخِرِهِ، فَإِنَّ قِرَاءَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَحْضُورَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ»

”جسے اندیشہ ہو کہ پچھلی رات نہیں اٹھ سکے گا، اسے چاہیے کہ وتر پڑھ کر سو جائے اور جسے یقین ہو کہ پچھلی رات اٹھ جائے گا تو اسے چاہیے کہ پچھلی رات ہی وتر پڑھے، بلاشبہ پچھلی رات کی قراءت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔“ [3]

وتر کی کتنی رکعتیں ہیں؟ وتر کم از کم ایک رکعت ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلّٰى»

---

[1] صحيح البخاري، الوتر، باب ساعات الوتر، حديث: 996، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل، وأن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة، حديث: 745. [2] [صحيح دون قوله: «هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمْرِ النَّعَمِ»] سنن أبي داود، الوتر، باب استحباب الوتر، حديث: 1418، وجامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في فضل الوتر، حديث: 452. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، حديث: 755.

”رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب تم میں سے کسی کو اندیشہ ہو کہ صبح ہونے لگی ہے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔“ [1]

تین، پانچ، سات یا نو وتر پڑھنا بھی درست ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپ چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبصورتی اور لمبائی کا مت پوچھ، پھر آپ چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبصورتی اور لمبائی کا مت پوچھ، پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے۔“ [2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے پانچ رکعت وتر ہوتے تھے جن میں آپ آخری رکعت کے علاوہ کسی میں نہ بیٹھتے تھے۔ [3]

جناب سعد بن ہشام سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں بتائیے تو انھوں نے کہا: ہم آپ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ رات کے وقت جب آپ کو اٹھانا چاہتا، اٹھا دیتا تو آپ مسواک کرتے، وضو فرماتے اور نو رکعات پڑھتے۔ آپ ان میں صرف آٹھویں رکعت ہی میں بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرتے، حمد و ثنا پڑھتے اور دعا کرتے، پھر اٹھتے اور سلام پھیرے بغیر کھڑے ہوتے اور نویں رکعت پڑھتے، پھر بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے، حمد و ثنا پڑھتے اور دعا کرتے، پھر سلام پھیرتے اس طرح کہ ہمیں سنوا دیتے۔ پھر سلام کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعت پڑھتے تو یہ گیارہ رکعتیں ہوتیں، اے میرے بیٹے! پھر جب آپ بڑی عمر کے ہو گئے اور کچھ فربہ بھی! تو آپ سات رکعت وتر پڑھنے لگے، اور (بعد کی) دو رکعتوں میں پہلے ہی کی مانند کرتے تو یہ نو رکعتیں ہوتیں اے میرے بیٹے!“ [4]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُوتِرُوا بِثَلَاثٍ، أَوْتِرُوا بِخَمْسٍ أَوْ بِسَبْعٍ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ»

”تین رکعت وتر نہ پڑھا کرو بلکہ پانچ یا سات رکعات پڑھا کرو اور نماز مغرب سے مشابہت نہ کیا کرو۔“ [5]

---

[1] صحيح البخاري، الوتر، باب ماجاء في الوتر، حديث: 990، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى، والوتر ركعة من آخر الليل، حديث: 749. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره، حديث: 1147، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل وأن الوتر ركعة......، حديث: 738. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل وأن الوتر ركعة......، حديث: 737. [4] [صحيح] سنن أبي داود، التطوع، باب في صلاة الليل، حديث: 1342، و مسند أحمد: 54,53/6. [5] [صحيح] سنن الدار قطني: 24/2، وصحيح ابن حبان، حديث: 2429 واللفظ له .

مطلقاً تین رکعات وتر پڑھنے منع نہیں ہیں بلکہ منع اس صورت میں ہیں جب مغرب کی نماز سے مشابہت ہو رہی ہو۔[1]

تین رکعات وتر میں مسنون قراءت: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتروں میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝﴾، ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ ۝﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝﴾ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔[2]

وتروں میں دعائے قنوت: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں کہ میں انھیں قنوت وتر میں پڑھا کروں:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا! وَتَعَالَيْتَ»

’’اے اللہ! مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جنھیں تو نے ہدایت دی، مجھے آرام و عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی اور میرا دوست اور والی بن ان لوگوں کے ساتھ جن کا تو والی بنا اور برکت دے مجھے اس چیز میں جو تو نے عنایت فرمائی اور بچائے رکھ مجھے اس شر سے جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے، بلاشبہ تو فیصلے کرتا ہے، تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اور بلا شبہ تو جس کا والی ہو، وہ ذلیل و رسوا نہیں ہو سکتا اور تو جس کا دشمن ہو جائے، وہ معزز نہیں ہو سکتا۔ اے ہمارے رب ! تو بڑی برکت والا اور نہایت اونچی شان والا ہے۔‘‘[3]

دعائے قنوت پڑھنے کا موقع رکوع سے پہلے قراءت کے بعد ہے: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے۔[4]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: صلاة التراويح للعلامة الألباني، ص: 111. نماز مغرب سے مشابہت اس صورت میں بھی ختم ہو جاتی ہے جب تین رکعت میں ایک ہی قعدہ، یعنی آخری قعدہ کیا جائے اور درمیانی قعدہ نہ کیا جائے۔ (عبدالولی) [2] [صحيح] سنن النسائي، قيام الليل، باب نوع آخر من القراءة في الوتر، حديث: 1731,1730، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما يقرأ في الوتر، حديث: 1171. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب القنوت في الوتر، حديث: 1425، وجامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في القنوت في الوتر، حديث: 464، ومسند أحمد: 199/1. [4] [صحيح] سنن النسائي، قيام الليل، باب ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر أبي بن كعب في الوتر، حديث: 1700، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في القنوت قبل الركوع و بعده، حديث: 1182.

رات کا قیام سنت اور مستحب ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ۝ ءَاخِذِينَ مَآ ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ۝ كَانُوا۟ قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ وَفِىٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝﴾

"بلاشبہ متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انھیں دے گا، وہ اسے لے رہے ہوں گے۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے۔ وہ رات کو بہت ہی تھوڑا سوتے تھے۔ اور وہ سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے۔ اور ان کے اموال میں سوالی اور محروم (نہ مانگنے والے) شخص کا حق (حصہ) ہوتا تھا۔" [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ»

"فرضوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔" [2]

رمضان میں قیام اللیل کا استحباب مزید مؤکد ہو جاتا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کا واجب کیے بغیر بہت شوق دلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

"جس نے ایمان کی بنا پر اجر و ثواب کے لیے رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔" [3]

قیام اللیل کی رکعتوں کی تعداد کتنی ہے؟ رات کی نماز کی رکعات کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔ جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں آیا ہے جو پہلے رکعات وتر کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

قیام رمضان میں جماعت مشروع اور سنت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نکلے اور مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ اس پر اور لوگ بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنے لگے اور انھوں نے صبح کو اس کا ذکر کیا تو (اگلی) رات کو زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رات بھی نکلے تو لوگوں نے آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی اور صبح کو لوگوں نے اس کا پھر تذکرہ کیا تو تیسری رات مسجد میں لوگ

---

[1] الذّٰريٰت 51:15-19. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث: 1163. [3] صحيح البخاري،الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، حديث: 37، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث:759.

بہت زیادہ جمع ہو گئے۔ آپ تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب چوتھی رات ہوئی تو اتنی کثرت سے لوگ آئے کہ مسجد کی گنجائش تنگ پڑ گئی۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لیے باہر نہ نکلے تو لوگ نماز! نماز! کہنے لگے، مگر رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے، بس فجر کی نماز ہی کے لیے نکلے۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمات شہادت پڑھے اور فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ شَأْنُكُمُ اللَّيْلَةَ، وَلٰكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ، فَتَعْجِزُوا عَنْهَا»

"امابعد! تمھاری رات کی حالت مجھ پر مخفی نہیں تھی لیکن مجھے اندیشہ ہوا، مبادا رات کی یہ نماز تم پر فرض کر دی جائے اور پھر تم اس سے عاجز آ جاؤ۔"[1]

جناب عبدالرحمٰن بن عبدٍ القاری کہتے ہیں کہ میں رمضان المبارک میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف آیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کوئی اکیلا اپنی نماز پڑھ رہا تھا اور کچھ افراد امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری (امام) کے ساتھ جمع کر دوں تو یہ بہتر رہے گا۔ پھر انھوں نے اس کا عزم کر ہی لیا اور انھیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمع کر دیا، پھر میں ان کے ساتھ دوسری رات نکلا اور لوگ اپنے قاری (امام) کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ایک اچھی ابتدا ہے اور جس نماز سے یہ لوگ سو جاتے ہیں، وہ اس سے افضل ہے جس کا وہ قیام کر رہے ہیں۔ مقصد ہے کہ جو پچھلی رات کا قیام ہے، وہ افضل ہے۔ جبکہ یہ لوگ رات کے اول وقت قیام کر رہے تھے۔[2]

* ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور جناب عبدالرحمٰن بن عبدٍ القاری کے اثر سے واضح ہے کہ رمضان میں رات کا قیام مشروع ہے اور اس کا باجماعت اہتمام بھی سنت ہے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے اسے چوتھی رات اس اندیشے کے تحت چھوڑ دیا کہ ایسا نہ ہو اسے فرض قرار دے دیا جائے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ اندیشہ باقی نہ رہا جس کا آپ نے اظہار فرمایا تھا تو اس کے باجماعت قائم کرنے کی سنت باقی رہی، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور اس کے باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ سنت زندہ ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر "شرعی بدعت" کا اطلاق نہیں ہوتا۔

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد، حديث: 924، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 761 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، حديث: 2010.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات کہ "یہ ایک اچھی ابتدا ہے" اس کا زیادہ سے زیادہ یہی مفہوم ہے کہ یہ لغوی بدعت ہے، شرعی بدعت نہیں ہے۔[1]

قیام اللیل قضا ہو جائے تو......؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ، فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ»

"جس شخص کا سوئے رہنے کی وجہ سے (رات کا) وِرد یا اس کا کچھ حصہ رہ جائے تو پھر اسے نماز فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کے لیے یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے اسے رات ہی کو پڑھا ہے۔"[2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز اگر کسی درد وغیرہ کی وجہ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔[3]

قیام اللیل کی پابندی کرنے والے کے لیے اس کا ترک کرنا مکروہ ہے: جناب عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَكُنْ مِّثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ»

"اے عبداللہ! فلاں کی مانند مت ہو جانا، وہ رات کا قیام کیا کرتا تھا، پھر اسے چھوڑ بیٹھا۔"[4]

صلاۃ ضحیٰ، یعنی اوّابین کی نماز: (1) اس کے مشروع ہونے کی دلیل: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے: ہر مہینے تین روزے رکھنے کی، ضحیٰ کی دو رکعتوں کی اور یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔[5]

(2) ضحیٰ کی فضیلت: ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ص: 275-277. یہ بھی یاد رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کی ابتدا نہیں کی ہے، اس نماز کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ان کے اس حکم سے پہلے بھی جاری تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی امام پر سب کو جمع کیا جیسا کہ مذکورہ حدیث بخاری سے واضح ہے۔ (عبدالولی) [2] صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب جامع صلاة اللیل، ومن نام عنه أومرض، حدیث: 747. [3] صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب جامع صلاة اللیل، ومن نام عنه أومرض، حدیث: 746. [4] صحیح البخاري، التهجد، باب مایکره من تَرْكِ قیام اللیل لمن كان یقومه، حدیث: 1152، وصحیح مسلم، الصیام، باب النهي عن صوم الدهر......، حدیث: 1159. [5] صحیح البخاري، الصوم، باب صیام البیض، ثلاث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة، حدیث: 1981، وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب استحباب صلاة الضحیٰ، وأن أقلها ركعتان ......، حدیث: 721.

«يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى»

''صبح ہوتی ہے تو تم میں سے ہر ایک کے جوڑ جوڑ پر صدقہ لازم ہو چکا ہوتا ہے۔ تو ہر تسبیح (سبحان اللہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمد للہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ایک صدقہ ہے، نیکی کی تلقین ایک صدقہ ہے اور برائی سے روکنا ایک صدقہ ہے۔ جبکہ ضحیٰ کی دو رکعتیں جو کوئی پڑھ لے تو یہ ان سب سے کفایت کرتی ہیں۔'' [1]

3 ضحیٰ کی تعداد رکعات: اس کی کم سے کم رکعات دو، متوسط چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ دو رکعات کی دلیل تو اوپر بیان ہو چکی اور چار رکعت کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نعیم بن ہمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«قَالَ اللّٰهُ - عَزَّوَجَلَّ: ابْنَ آدَمَ! صَلِّ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ»

''اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم! دن کے شروع میں میرے لیے چار رکعتیں پڑھ، میں اس کے آخر تک تجھے کافی ہو جاؤں گا۔'' [2]

آٹھ رکعات کی دلیل ام ہانی رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال، جبکہ آپ ﷺ مکہ کی بالائی جانب ٹھہرے ہوئے تھے، وہ (ام ہانی رضی اللہ عنہا) آپ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ آپ نہانے کے لیے اٹھے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (ایک کپڑے سے) آپ کے لیے پردے کا اہتمام کیا ہوا ہے، پھر آپ نے اپنا کپڑا لیا اور اسے لپیٹ لیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے آٹھ رکعات ضحیٰ کے نفل پڑھے۔ [3]

4 ضحیٰ کا افضل وقت: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل قبا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ ضحیٰ کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ إِذَا رَمِضَتِ الْفِصَالُ مِنَ الضُّحٰى»

''اوّابین، یعنی وہ لوگ جو اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے ہیں، کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب سورج بلند ہونے پر اونٹنیوں کے بچوں کے پاؤں جلنے لگتے ہیں۔'' [4]

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى، وأن أقلها ركعتان، وأكملها ثمان ركعات......، حديث: 720. [2] سنن أبي داود، التطوع، باب صلاة الضحى، حديث: 1289، ومسند أحمد: 287/5 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به، حديث: 357، وصحيح مسلم، الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه، حديث: 336. [4] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال، حديث: 748، و مسند أحمد: 366/4 واللفظ له.

اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب سورج خوب اچھی طرح بلند ہو جائے اور دھوپ کی تپش سے زمین گرم ہو جائے۔

وضو کے بعد نفل پڑھنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز کے وقت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے بلال! اپنا وہ عمل تو بتاؤ جس سے تمھیں بہت زیادہ امید ہو، جو تم نے اسلام لانے کے بعد اختیار کیا ہے۔ بلاشبہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمھارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔'' انھوں نے کہا: میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو میرے نزدیک بہت زیادہ قابل امید ہو سوائے اس کے کہ دن ہو یا رات، میں نے جس وقت بھی وضو کیا تو میں نے اس کے ساتھ اتنی نماز پڑھی ہے جتنی اللہ نے توفیق دی۔ [1]

نماز استخارہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام اہم امور میں ہمیں استخارے کی تعلیم اور تلقین اسی طرح فرمایا کرتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آپ فرماتے تھے:

«إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ. قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ».

''جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھے، فرض کے علاوہ (نفل)، پھر یوں دعا کرے: ''اے اللہ! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر اور بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے ہمت اور طاقت کا سوال کرتا ہوں اور تیرے بڑے فضل کا سوالی ہوں، بلاشبہ تو قدرت والا ہے اور مجھ میں کوئی طاقت نہیں، تو خوب جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا اور تو سب غیبوں سے آگاہ ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اس جگہ کام کا نام لے) میرے لیے میرے دین میں، میری معاش اور انجام کار میں...... یا فرمایا: فی الحال اور آخرت کے لحاظ سے اور مستقبل قریب میں یا بعید میں بہتر ہو تو اسے

[1] صحيح البخاري، التهجد، باب فضل الطهور بالليل والنهار، وفضل الصلاة عند الطهور بالليل والنهار، حديث: 1149، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال ﷺ، حديث: 2458.

میرے لیے مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے اور پھر اس میں مجھے برکت دے۔ اور اگر تیرے علم کے مطابق میرے لیے یہ کام (اس جگہ کام کا نام لے) میرے دین میں، میری معاش اور انجام کار میں...... یا فرمایا: فی الحال اور آخرت کے لحاظ سے اور مستقبل قریب میں یا بعید میں میرے لیے برا ہو تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لیے بھلائی مقدر فرما جہاں بھی وہ ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔ اور اپنی ضرورت کا نام لے۔"[1]

سجود سہو، تلاوت اور شکر

سجود سہو[2]

سجود سہو تین وجوہ سے لازم آتے ہیں: (1) نماز میں کسی عمل کا اضافہ: نمازی اگر اپنی نماز میں قیام، قعود، رکوع یا سجدہ جان بوجھ کر زیادہ کر دے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر بھولے سے ایسا ہو اور اسے اپنا یہ اضافی عمل یاد نہ رہے حتی کہ اس اضافے سے فارغ ہو جائے تو اس پر سوائے سجود سہو کے اور کچھ لازم نہیں اور اس کی نماز بالکل صحیح ہے لیکن اگر اس اضافے کے دوران میں اسے یہ بات یاد آ جائے تو اس پر اس سے رجوع (ترک کرنا) واجب ہے اور سہو کے سجدے بھی اور نماز اس کی صحیح ہوگی۔

(2) کسی لازمی عمل کی کمی: اگر کوئی نمازی اپنی نماز مکمل کرنے سے پہلے جانے بوجھے سلام پھیر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھولے سے ایسا ہو اور بہت دیر کے بعد یاد آئے تو وہ اپنی نماز دہرائے اور اگر جلد ہی، یعنی دو تین منٹ میں یاد آ جائے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے اور سلام پھیرے، پھر سہو کے سجدے کرے اور سلام پھیرے۔

---

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب الدُّعاء عند الاستخارة، حديث: 6382 و1162 بعد الحديث: 1171. اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ استخارہ وہ شخص خود کرے جسے کوئی کام درپیش ہو، کوئی شخص دوسرے کے لیے استخارہ نہیں کر سکتا۔ اس سے اس نئے طریقے (بدعت) کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ بعض بے علم اور سادہ لوح قسم کے لوگ نام نہاد بزرگوں اور پیروں سے اپنے لیے استخارہ کراتے ہیں اور یہ علماء و پیر صاحبان بھی اپنے مفادات کے لیے انھیں اندھیرے میں رکھ کر ان کے لیے استخارہ کرنے کی ہامی بھرتے ہیں۔ یہ طریقہ بدعت ہے۔ سنت یہ ہے کہ ہر بندہ خود استخارہ کرے جیسا کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے۔ (عبدالولی) [2] سہو، یعنی بھول چوک۔ نماز میں بھول چوک کی اصلاح و تلافی کے لیے آخر میں دو سجدے کرنے ہوتے ہیں، انھیں سجود سہو کہتے ہیں۔

اگر نمازی نے اپنی نماز کا کوئی رکن کم کر دیا ہو اور وہ رکن تکبیر تحریمہ ہو تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی، عمداً چھوڑے یا بھول کر اور اگر تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی اور رکن چھوڑا ہو اور جان بوجھ کر چھوڑا ہو تو اس کی نماز باطل ہے۔ اور اگر بھولے سے چھوڑا ہو حتی کہ دوسری رکعت میں اسی مقام تک پہنچ جائے تو پہلی رکعت باطل ہو جائے گی جس میں یہ رکن چھوڑا تھا اور بعد والی اس کے قائم مقام ہوگی۔ اگر دوسری رکعت میں اس مقام تک نہ پہنچا ہو تو واجب ہے کہ چھوڑے ہوئے رکن کی طرف لوٹ آئے اور اسے پورا کرے اور اس کے بعد والے اعمال ترتیب سے پورے کرے۔ مزید برآں ان دونوں صورتوں میں اس پر واجب ہے کہ سلام کے بعد سجود سہو کرے۔

اگر نمازی درمیانی تشہد بھول جائے اور اسی وقت اٹھنے سے قبل یاد آ جائے تو چاہیے کہ اسے پڑھے اور اس پر کچھ اور لازم نہیں ہے۔ اگر اس موقع سے گزر جانے کے بعد تشہد یاد آئے مگر ابھی دوسرے رکن، یعنی قیام میں نہ پہنچا ہو تو چاہیے کہ اس (تشہد) کی طرف لوٹ آئے اور اسے پڑھے، اپنی نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیرنے کے بعد سجود سہو کرے اور پھر سلام پھیرے۔

اگر دوسرے متصل رکن میں پہنچ جانے کے بعد یاد آئے تو اب یہ اس سے ساقط ہے، اس کی طرف نہ لوٹے بلکہ ترتیب سے اپنی نماز جاری رکھے مگر سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے سجدے کرے۔

3 کسی شک و شبہ میں پڑ جانا: نمازی کو اگر اپنی نماز میں کوئی شک ہو جائے اور شک کے دو پہلوؤں میں سے کوئی ایک اس کے نزدیک راجح ہو تو اسے چاہیے کہ راجح اور غالب ظن پر عمل کرے، آخر میں سلام پھیرے، اس کے بعد سہو کے سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے۔ اگر کوئی جانب بھی راجح نہ ہو تو یقینی پہلو پر عمل کرے اور اس صورت میں وہ کمی والا پہلو ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کے مطابق نماز مکمل کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے سجدے کرے۔ بعد ازاں سلام پھیرے۔

سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنے کے دو مواقع ہیں: 1 جب کوئی کمی واقع ہوئی ہو: عبداللہ ابن بُحَینَہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور درمیانی تشہد کے لیے نہ بیٹھے۔ جب نماز مکمل کر چکے تو آپ نے دو سجدے کیے، پھر ان کے بعد سلام پھیرا۔[1]

2 جب کوئی شک ہو اور کوئی جانب راجح نہ ہو سکے: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، السهو، باب ماجاء في السهو إذا قام مِنْ ركعتي الفريضة، حديث: 1225,1224، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 570.

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى؟ ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ. فَإِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا، شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ، وَإِنْ كَانَ صَلّٰى إِتْمَامًا لِّأَرْبَعٍ، كَانَتَا تَرْغِيمًا لِّلشَّيْطَانِ»

''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، تین یا چار؟ تو اسے چاہیے کہ شک کو چھوڑ دے اور یقین پر انحصار کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہیں تو یہ سجدے اس کی زائد رکعت کو دوگانہ بنا دیں گے اور اگر اس نے چار پوری پڑھی ہیں تو یہ سجدے شیطان کی تذلیل و رسوائی کا باعث ہوں گے۔'' [1]

سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنے کے بھی دو مواقع ہیں: [1] جب کوئی اضافہ کر دیا ہو: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھا دی تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' عرض کیا گیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں۔ اس پر آپ نے دو سجدے کیے جبکہ آپ سلام پھیر چکے تھے۔ [2]

[2] جب کوئی شبہ ہو جائے مگر تحری و غور کے بعد کوئی جانب راجح ہو جائے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ»

''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ صحیح صورت تلاش کرے اور اسی کے مطابق اپنی نماز مکمل کرے اور سلام پھیرے، پھر دو سجدے کر لے۔'' [3]

سجود سہو کے لیے تکبیر تحریمہ اور سلام: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دن کے پچھلے پہر کی ایک نماز پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نام بھی لیا تھا مگر میں اسے بھول گیا

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 571، ومسند أحمد: 72/3. [2] صحيح البخاري، السهو، باب إذا صلى خمسًا، حديث: 1226، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 572.
[3] صحيح البخاري، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، حديث: 401، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 572.

ہوں......تو آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا، پھر آپ مسجد میں لگی ہوئی ایک لکڑی کے پاس آ گئے اور اس کا سہارا لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ غصے میں ہوں۔ آپ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں، پھر آپ نے اپنا داہنا رخسار، بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا اور جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل گئے اور لوگ پوچھنے لگے: (کیا) نماز کم ہو گئی ہے؟ اس موقع پر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے مگر وہ ہیبت کی وجہ سے آپ سے بات نہ کر سکے۔ قوم میں ایک آدمی تھا، اس کے ہاتھ ذرا لمبے تھے۔ اسے ذوالیدین کہا جاتا تھا، اس نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا:

«لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ» ''میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔''

پھر آپ نے دریافت فرمایا:

«أَكَمَا يَقُولُ ذُوالْيَدَيْنِ؟» ''کیا بات اسی طرح ہے جس طرح ذوالیدین کہتا ہے؟''

صحابہ نے کہا: جی ہاں! تب آپ آگے بڑھے اور جو نماز چھوڑ دی تھی، وہ پڑھائی اور سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا، عام سجدوں کی مانند یا اس سے کسی قدر لمبا، پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، پھر اللہ اکبر کہا اور دوسرا سجدہ کیا، عام سجدوں کی مانند یا اس سے کسی قدر لمبا، پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے بیان میں ہے کہ پھر آپ نے سلام پھیرا۔[1]

امام جب سہو کے سجدے کرے تو اس کی اتباع میں مقتدی بھی سجدے کریں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ. . . .»

''امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے (اس کے پیچھے چلا جائے)، پس اس سے اختلاف نہ کیا کرو۔''[2]

سجدۂ تلاوت

قرآن کریم میں تلاوت کے دوران میں سجدہ کرنے کے مقامات: علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں چودہ سجدے ہیں:

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب مایجوز من ذکر الناس نحوقولھم: الطویل والقصیر، حدیث:6051و482، وصحیح مسلم، المساجد، باب السھوفي الصلاۃ والسجودله، حدیث: 573. [2] صحیح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاۃ، حدیث:722، وصحیح مسلم، الصلاۃ، باب ائتمام المأموم بالإمام، حدیث:414.

(1) سورۂ اعراف، آیت: 206 (2) سورۂ رعد، آیت: 15

(3) سورۂ نحل، آیت: 50 (4) سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 109

(5) سورۂ مریم، آیت: 58 (6) سورۂ حج میں پہلا معروف سجدہ آیت: 18، اس کے آخر میں آیت 77 میں سجدہ نہیں ہے۔

(7) سورۂ فرقان، آیت: 60 (8) سورۂ نمل، آیت: 26

(9) سورۂ سجدہ، آیت: 15 (10) سورۂ ص، آیت: 24

(11) سورۂ حمٓ سجدہ، آیت: 38 (12) سورۂ نجم، آیت: 62

(13) سورۂ انشقاق، آیت: 21 (14) سورۂ علق، آیت: 19 [1]

سجدۂ تلاوت کا حکم: جمہور فقہاء کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے اور اس کے لیے طہارت وغیرہ کی ایسی کوئی شرط نہیں ہے جو نماز کے لیے ہے۔ علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اصل یہ ہے کہ طہارت (وضو) کی شرط نہیں لگائی جائے گی الا یہ کہ کوئی دلیل ثابت ہو۔ طہارت (وضو) واجب ہونے کے دلائل نماز ہی کے لیے آئے ہیں اور سجدے کو نماز نہیں کہا جاتا، لہٰذا جو شخص اس کے لیے طہارت شرط کہتا ہے، اس کے ذمے ہے کہ دلیل پیش کرے۔ ایسے ہی اوقات کراہت کا مسئلہ ہے کہ ان میں نماز منع ہے، اکیلا سجدہ اس (ممانعت) میں نہیں آتا۔ [2]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: سجدۂ تلاوت فرض نہیں ہے، فضیلت کا عمل ضرور ہے۔ نماز کے دوران میں، فرض ہو یا نفل، آدمی سجدۂ تلاوت کرے گا۔ اور نماز کے علاوہ بھی آیاتِ سجدہ پڑھنے پر ہر وقت سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے، خواہ سورج طلوع ہو رہا ہو یا غروب یا عین دوپہر کا وقت ہو، قبلہ رخ ہو یا غیر قبلہ رخ اور چاہے باوضو ہو یا بے وضو۔ [3]

سجدۂ تلاوت سنت ہونے کی دلیل: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکین نے حتی کہ جنوں نے بھی سجدہ کیا۔ [4]

---

[1] المحلّٰی: 5/105، 106، راجح یہی ہے کہ قرآن میں پندرہ سجدے ہیں اور سورۂ حج میں دو سجدے ہیں جس کی دلیل سنن أبي داود، حدیث: 1402 ہے۔ اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ اور زبیر علیزئی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (عبدالولی)۔ [2] سبل السلام: 2/279. [3] المحلّٰی: 5/106. [4] صحیح البخاري، سجود القرآن وسنتها، باب سجود المسلمین مع المشرکین...... حدیث: 1071، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في السجدة في النجم، حدیث: 575.

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سورۂ نجم تلاوت کی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔[1]

پہلی حدیث میں ہے کہ آپ نے سجدہ کیا اور دوسری میں ہے کہ نہیں کیا تو یہ بیان جواز کے لیے ہے کہ سجدۂ تلاوت سنت ہے، فرض نہیں۔[2]

سجدۂ تلاوت وضو اور قبلے کی طرف منہ کیے بغیر جیسے بھی ممکن ہو، صحیح ہے: ایسا اس لیے ہے کہ یہ نماز نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى» ”رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔“[3]

لہٰذا جو دو رکعت سے کم ہو، وہ نماز نہیں، الا یہ کہ اس کے نماز ہونے کی نص اور صراحت آجائے، مثلاً: نماز خوف اور نماز وتر ایک رکعت ہونے کی صراحت، اسی طرح نماز جنازہ کے نماز ہونے کی صراحت۔ مگر سجدۂ تلاوت کو نماز کہنے کی کہیں کوئی نص اور صراحت نہیں۔[4]

سجدۂ تلاوت کی فضیلت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اِعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَاوَيْلَهُ! - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كُرَيْبٍ: يَاوَيْلِي! - أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ»

”جب کوئی ابنِ آدم آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان دور ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے اس کا افسوس! (اور ابو کریب کی روایت میں ہے: ہائے میرا افسوس!) ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا، لہٰذا اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا اور میرے لیے آگ ہے۔“[5]

سجدۂ تلاوت کی دعا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قرآن کریم کی تلاوت کے

[1] صحیح البخاري، سجود القرآن، باب من قرأ السجدة ولم يسجد، حديث: 1073، وصحيح مسلم، المساجد، باب سجود التلاوة، حديث: 577. [2] ملاحظہ ہو فتح الباري: 2/555، حديث: 1073. [3] صحیح البخاري، الوتر، باب ماجاء في الوتر، حديث: 990، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة اليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، حديث: 749، وسنن أبي داود، التطوع، باب صلاة النهار، حديث: 1295 واللفظ له. [4] المحلى لابن حزم: 111/5. [5] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث: 81.

دوران سجدے میں یہ پڑھا کرتے تھے:

«سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ»

''سجدہ کیا میرے چہرے نے اس ذات کے لیے جس نے اسے پیدا کیا اور خاص اپنے تصرف اور قوت سے اس میں سننے کے لیے کان اور دیکھنے کے لیے آنکھیں بنائیں۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے آج رات خواب دیکھا، گویا میں ایک درخت کے تنے کے قریب نماز پڑھ رہا ہوں، میں نے ایک آیتِ سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا، میں نے سنا کہ وہ پڑھ رہا تھا:

«اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ»

''اے اللہ! اس کے ذریعے سے میرے گناہ مٹا دے، اس کے ذریعے سے میرے لیے اجر و ثواب لکھ دے اور اسے میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا لے اور اس سجدے کو اسی طرح میری طرف سے قبول فرما لے جس طرح تو نے اپنے بندے داود علیہ السلام کی طرف سے سجدے کو قبول کیا تھا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میں نے سنا کہ آپ وہی کچھ پڑھ رہے تھے جو اس آدمی نے اس درخت کے پڑھنے کے بارے میں بیان کیا تھا۔[2]

سجدۂ شکر

مستحب ہے کہ جس شخص کو کوئی نعمت میسر آئے، یا کوئی شر اور برائی اس سے دور ہو، یا اسے کوئی خوش خبری ملے تو اس خوشی میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے جیسا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی کی بات حاصل ہوتی یا آپ کو کوئی خوش خبری دی جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔[3]

[1] [صحیح] سنن أبي داود، سجود القرآن، باب مایقول إذا سجد، حدیث: 1414، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء مایقول في سجود القرآن، حدیث: 580، وسنن النسائي، التطبیق، باب: 70، حدیث: 1130. [2] [حسن] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب سجود القرآن، حدیث: 1053، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء مایقول في سجود القرآن، حدیث: 579.
[3] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في سجود الشكر، حدیث: 2774، وجامع الترمذي، السیر، باب ماجاء في سجدة الشكر، حدیث: 1578، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الصلاة والسجدة عند الشكر، حدیث: 1394.

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا تو فرمایا: ”میرے پاس جبریل آئے تھے اور مجھے ایک خوش خبری دے گئے ہیں، لہٰذا میں نے اللہ کا شکر کرنے کے لیے سجدہ کیا ہے۔“ [1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ان لوگوں کے مسلمان ہونے کی خبر لکھ بھیجی۔ جب آپ نے وہ خط پڑھا تو اس پر اللہ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔ [2]

سجدۂ شکر کا حکم: اس کا حکم بھی وہی ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے (یہ سنت ہے، مستحب اور فضیلت کا عمل ہے۔)

نماز کسوف

(سورج یا چاند گہن ہونے پر نماز)

نماز کسوف کے لیے اعلان کرنا: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب سورج گہن ہوا تو اعلان کیا گیا: «إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ» ”نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔“ [3]

نماز کسوف کا صحیح ترین طریقہ: اس کی صحیح ترین صورت یہ ہے کہ اس کی دو رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں (ایک بار) سورج گرہن ہو گیا تو آپ مسجد میں تشریف لائے، کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی۔ لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے صفیں بنا لیں تو آپ نے قراءت کی بڑی لمبی قراءت، پھر آپ نے اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا بڑا لمبا رکوع لیکن وہ پہلی قراءت سے کم طویل تھا۔ پھر آپ نے کہا: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا! وَلَكَ الْحَمْدُ» اور کھڑے ہو کر قراءت کی لمبی قراءت مگر پہلی سے کم، پھر اللہ اکبر کہا اور رکوع کیا لمبا رکوع مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کہا:

[1] [صحيح بالشواهد] مسند أحمد: 191/1، والمستدرك للحاكم: 223,222/1 اور کہا: یہ حدیث شرط شیخین کے مطابق صحیح ہے۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور مزید کہا ہے کہ سجدۂ شکر کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (287/2) میں اسے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ [2] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 369/2. [3] صحيح البخاري، الكسوف، باب طول السجود في الكسوف، حديث: 1051، وصحيح مسلم، الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف «الصلاة جامعة»، حديث: 910، ومسند أحمد: 220/2.

«سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا! وَلَكَ الْحَمْدُ»

پھر سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا حتی کہ مکمل چار رکوع اور چار سجدے کیے اور آپ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے سورج صاف ہو گیا۔ پھر آپ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ کی تعریف کی جیسا کہ اس کے لائق ہے، پھر فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ»

''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی بہت سی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انھیں کسی کی موت یا زندگی کے باعث گہن نہیں لگتا، سو جب تم انھیں اس طرح دیکھو تو فوراً نماز کے لیے آؤ۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، آپ نے قیام کیا بڑا لمبا قیام، تقریباً سورۂ بقرہ کی قراءت کے قریب، پھر رکوع کیا لمبا رکوع، پھر سر اٹھایا اور قیام کیا لمبا قیام اور یہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر رکوع کیا لمبا رکوع اور یہ پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر سجدہ کیا، پھر قیام کیا لمبا قیام اور یہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر رکوع کیا لمبا رکوع اور یہ پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر سر اٹھایا اور قیام کیا لمبا قیام اور یہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر رکوع کیا لمبا رکوع اور یہ پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہوئے تو سورج صاف ہو چکا تھا، پھر فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ»

''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت پر گہناتے ہیں نہ کسی کی زندگی سے، سو جب تم یہ (گہن) دیکھو تو اللہ کا ذکر کیا کرو۔''[2]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ یہ نماز مسنون ہے واجب نہیں، مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے، جیسے کہ نووی نے شرح مسلم میں اور علامہ مہدی نے البحر وغیرہ میں لکھا ہے۔[3]

[1] صحيح البخاري، الكسوف، باب خطبة الإمام في الكسوف، حديث: 1046، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901، ومسند أحمد: 98/6. [2] صحيح البخاري، الكسوف، باب صلاة الكسوف جماعة، حديث: 1052، وصحيح مسلم، الكسوف، باب ماعرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف من أمر الجنة والنار، حديث: 907 . اور اس ذکر کی ایک مسنون اور بہترین صورت نماز ہے۔ (مترجم) [3] ملاحظہ ہو الأدلة الرضية، ص:97,96 (تأليف المؤلف).

نمازِ کسوف وخسوف میں بلند آواز سے قراءت کرنا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خسوف میں بلند آواز سے قراءت کی اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔ [1]

دوسری روایت کے الفاظ ہیں: آپ نے نمازِ کسوف پڑھی اور اس میں جہری قراءت کی۔ [2]

اور ایک روایت میں الفاظ یوں بھی آئے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گہن ہو گیا تو آپ جائے نماز پر آئے۔ آپ نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی (آپ کی اقتدا میں) تکبیر کہی، پھر آپ نے باآواز بلند قراءت کی اور بڑا لمبا قیام کیا۔ [3]

امام کا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد خطبہ دینا مسنون ہے: اس کا تذکرہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی متذکرہ حدیث میں آیا ہے۔

گہن میں صدقہ، استغفار اور ذکر کی ترغیب: اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا»

''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جو کسی کی موت کے باعث گہناتی ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے، تو جب تم یہ (گہن) پاؤ تو اللہ سے دعا مانگو، تکبیر کہو، صدقہ دو اور نماز پڑھو۔'' [5]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سورج کو گرہن لگ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ»

''جب تم اس (گہن) میں سے کچھ دیکھو تو گھبرا کر اللہ کے ذکر کی طرف آؤ، دعا کرو اور استغفار میں

---

[1] صحيح البخاري، الكسوف، باب الجهر بالقراءة في الكسوف، حديث: 1065، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901. [2] جامع الترمذي، الجمعة، باب كيف القراءة في الكسوف، حديث: 563. [3] صحيح البخاري، الكسوف، باب الجهر بالقراءة في الكسوف، حديث: 1065، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901، ومسند أحمد: 65/6. [4] صحيح البخاري، الكسوف، باب من أحب العتاقة في كسوف الشمس، حديث: 1054، وسنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب العتق فيها، حديث: 1192، ومسند أحمد: 354/6. [5] صحيح البخاري، الكسوف، باب الصدقة في الكسوف، حديث: 1044، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901، ومسند أحمد: 164/6.

مشغول ہو جاؤ۔"[1]

سورج اور چاند گہن سے نکل آئیں تو اس کے لیے نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہے: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں سورج کو اس دن گرہن لگ گیا جس دن (فرزند رسول) ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی، تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوا حَتّٰى يَنْجَلِيَ»

"بلاشبہ سورج اور چاند اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ کسی کی موت پر گہناتی ہیں نہ کسی کی زندگی سے، تو جب تم انھیں دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو حتی کہ یہ صاف ہو جائے۔"[2]

نمازِ استسقا

(بارش طلب کرنے کے لیے نماز)

عدم بارش اور خشک سالی کے اسباب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا»

"جن لوگوں نے ناپ تول اور وزن میں کمی کی، ان پر قحط مسلط کر دیا جاتا ہے، ان کے حالات انتہائی سخت کر دیے جاتے ہیں اور حکام ان پر ظلم کرنے لگتے ہیں اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیتے ہیں، ان پر آسمان سے بارش روک لی جاتی ہے اور اگر مویشی اور جانور نہ ہوں تو ان پر بارش نہ برسائی جائے۔"[3]

[1] صحيح البخاري، حديث: 1059، و صحيح مسلم، حديث: 912، ومسند أحمد: 245/4. [2] صحيح البخاري، الكسوف، باب الدُّعاءِ في الكسوف، حديث: 1060، وصحيح مسلم، الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف «الصلاة جامعة»، حديث: 915، ومسند أحمد: 245/4. [3] [حسن] سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، حديث: 4019، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن الإسناد" کہا ہے۔ دیکھیے سنن ابن ماجه، تحقيق الألباني رحمہ اللہ۔

آپ ﷺ کے استسقا کی مختلف صورتیں: (1) آپ عید گاہ کی طرف نکلے، نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔

(2) جمعے کے دن منبر پر خطبے کے دوران میں دعا کی۔

(3) آپ نے جمعے کے علاوہ منبر پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور اس میں آپ سے نماز کا ذکر ثابت نہیں۔

(4) آپ نے مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھ بلند کیے اور اللہ عزوجل سے دعا کی۔

(5) آپ نے مسجد سے باہر مقام زوراء کے قریب احجار زیت کے پاس بارش کے لیے دعا کی۔

(6) آپ نے اپنے بعض غزوات میں بارش کے لیے دعا کی، جبکہ مشرکین آپ سے پہلے پانی پر قابض ہو چکے تھے، چنانچہ ہر بار اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور بارش نازل فرمائی۔[1]

پہلی صورت کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بڑی تواضع کے ساتھ پراگندہ حالت میں، عاجزی کا مظاہرہ کرتے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے، آہ وزاری کرتے ہوئے نکلے، دو رکعتیں پڑھیں، جیسے عید میں پڑھتے ہیں اور ایسا خطبہ نہیں دیا جیسا تم دیتے ہو۔[2]

دوسری صورت کی دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ، مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِالْقَضَاءِ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يُغِثْنَا قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا»

”جمعے کے دن ایک آدمی دارالقضاء کی جانب والے دروازے سے مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہو گئے اور رستے کٹ گئے، اللہ سے دعا فرمائیے کہ بارش نازل فرمائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے اور دعا کرنے لگے: «اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا» ”اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔“[3]

---

[1] ملاحظہ ہو: زاد المعاد في هدي خير العباد لابن القيم رحمه الله: 1/456-458. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في صلاة الاستسقاء، حديث: 558، وسنن النسائي، الاستسقاء، باب كيف صلاة الاستسقاء، حديث: 1522، ومسند أحمد: 1/230. [3] صحيح البخاري، الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، حديث: 933، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث: 897.

تیسری صورت کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں ایسی قوم کے پاس سے آپ کی طرف آیا ہوں جس کا کوئی چرواہا زاد راہ نہیں لیتا اور کوئی طاقتور جانور دم بھی نہیں ہلاتا، تو آپ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد کی، پھر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَّرِيئًا طَبَقًا مَّرِيعًا غَدَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ»

”اے اللہ! ہم پر بارش برسا سیراب کرنے والی، بہترین انجام والی، خوب بھرپور، سبھی علاقوں میں، بڑے قطروں والی، جلدی آئے دیر نہ کرے۔“

پھر آپ منبر سے اتر گئے تو مختلف سمتوں میں سے جس سمت سے بھی لوگ آپ کے پاس آئے، انہوں نے یہی کہا کہ ہم شاداب کر دیے گئے ہیں۔[1]

چوتھی صورت کی دلیل: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ (بارش کے نہ ہونے کی شکایت لے کر) روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَّرِيئًا مَّرِيعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ»

”اے اللہ! ہمیں بارش عنایت فرما انتہائی مفید، خوب بھرپور، بہت زیادہ، انتہائی نافع، جو کوئی ضرر نہ پہنچائے، جلدی آئے، دیر نہ کرے۔“ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ بادل چھا گیا۔[2]

پانچویں صورت کی دلیل: جناب عمیر مولیٰ بنو آبی اللحم رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے احجار زیت کے پاس بارش کے لیے دعا فرمائی۔[3]

چھٹی صورت کی دلیل: ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض غزوات میں مشرکین پانی پر پہلے سے قابض ہو گئے اور مسلمانوں کو پیاس کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس صورتحال کا تذکرہ کیا۔ آپ نے بارش کے لیے دعا فرمائی۔ کچھ منافقین کہنے لگے کہ اگر یہ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لیے پانی طلب کرتے جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے طلب کیا تھا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی۔ آپ نے فرمایا:

[1] [صحيح] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الدعاء في الاستسقاء، حديث: 1270، ڈاکٹر بشار عواد نے اس روایت کے متعلق کہا ہے: إسناده صحيح. [2] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث: 1169، والمستدرك للحاكم: 327/1. [3] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث: 1168، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في صلاة الاستسقاء، حديث: 557، و المستدرك للحاكم: 327/1.

«أَوَقَدْ قَالُوهَا؟ عَسٰی رَبُّکُمْ أَنْ يَّسْقِيَکُمْ، ثُمَّ بَسَطَ يَدَيْهِ، وَدَعَا، فَمَا رَدَّ يَدَيْهِ مِنْ دُعَائِهِ حَتّٰی أَظَلَّهُمُ السَّحَابُ، وَأُمْطِرُوا فَأَفْعَمَ السَّيْلُ الْوَادِيَ، فَشَرِبَ النَّاسُ فَارْتَوَوْا»

”کیا انھوں نے اسی طرح کہا ہے؟ امید ہے تمھارا رب تمھیں پانی عنایت فرمائے گا، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی، ابھی آپ ﷺ نے اپنی دعا سے ہاتھ نہیں چھوڑے تھے کہ ان پر گھنگور گھٹا چھا گئی، بارش ہوئی اور پوری وادی جل تھل ہو گئی، لوگوں نے پانی پیا اور خوب سیراب ہوئے۔“[1]

بارش کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا سنت ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بارش کے علاوہ کسی دعا میں اپنے ہاتھ بہت زیادہ نہیں بلند کرتے تھے، آپ اپنے ہاتھ اس قدر بلند کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگتی تھی۔[2]

بارش کے لیے خطبے میں کیا بیان کیا جائے؟ اس خطبے میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہونا چاہیے۔ لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی ترغیب دی جائے، نافرمانی سے ڈرایا جائے، امام اور مقتدی سبھی بہت زیادہ استغفار کریں اور قحط اور خشک سالی کے خاتمے کی خوب دعائیں کریں۔ اس کی تفصیل عبداللہ بن یزید انصاری،[3] ابن مسعود[4] اور انس[5] رضی اللہ عنہم کی احادیث میں آئی ہے۔

امام جب دعا کے لیے قبلہ رخ ہو تو اپنی چادر پلٹ لے: سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اس دن نبی ﷺ کو دیکھا آپ استسقا کے لیے نکلے، آپ نے لوگوں کی طرف اپنی کمر کر لی، چہرۂ مبارک قبلے کی طرف کر لیا اور دعا مانگنے لگے، پھر آپ نے اپنی چادر الٹی کر لی، پھر دو رکعتیں پڑھائیں اور ان رکعتوں میں بلند آواز سے قراءت کی۔[6]

---

[1] زاد المعاد: 458/1. [2] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب رفع الإمام يده في الاستسقاء، حديث: 1031، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين بالدعاء في الاستسقاء، حديث: 896، ومسند أحمد: 282/3. [3] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب الدعاء، في الا ستسقاء قائمًا، حديث: 1022. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾، حديث: 4821، وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب الدخان، حديث: 2798. [5] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب الاستسقاء على المنبر، حديث: 1015، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث: 897. [6] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب كيف حول النبيّ ظهره إلى الناس، حديث: 1025، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب كتاب صلاة الاستسقاء، حديث: 894، ومسند أحمد: 41/4.

مسافر کی نماز

سفر میں نماز قصر کرنا واجب ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (شروع میں) دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو (حالتِ اقامت کی نماز) چار رکعتیں فرض کی گئی اور سفر کی نماز پہلی حالت پر برقرار رکھی گئی۔[1]

جناب یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ﴾

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرلو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔''[2]

اب لوگوں کو امن و امان حاصل ہے۔ انھوں نے کہا: مجھے بھی اسی طرح تعجب ہوا تھا جیسے تمھیں ہوا ہے، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ»

''یہ صدقہ ہے، اللہ نے تم پر یہ صدقہ کیا ہے، تو اس کا صدقہ قبول کرلو۔''[3]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب رہا ہوں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی دستور تھا۔[4]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قصر اور افطار (روزہ چھوڑنے) میں ظاہر یہی ہے کہ سفر اطاعت اور سفر معصیت میں کوئی فرق نہیں ہے، بالخصوص قصر نماز کا مسئلہ (تو خوب ظاہر ہے) کیونکہ مسافر کے لیے نماز اللہ تعالیٰ نے اسی طرح مشروع کی ہے۔ جس طرح مقیم کے لیے مشروع ہے کہ پوری نماز پڑھے قطع نظر اس سے کہ اطاعت گزار ہو یا

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب التاريخ من أين أرَّخوا التَّاريخ، حديث: 3935، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 685. [2] النسآء 4:101. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 686، وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة المسافر، حديث: 1199. [4] صحيح البخاري، التقصير، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة، حديث: 1102، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 689، ومسند أحمد: 2/56.

نافرمان، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح مسافر کے لیے بھی بغیر کسی فرق کے دو ہی رکعتیں مشروع ہیں اور قصر کے دلائل کسی نافرمان کے لیے افطار کے مقابلے میں زیادہ قوی ہیں کیونکہ قصر کرنا عزیمت ہے جو صرف اطاعت گزار ہی کے لیے مشروع نہیں بلکہ عاصی اور اطاعت گزار دونوں کے لیے مشروع ہے، بخلاف افطار کے، کیونکہ مسافر کے لیے افطار کرنا ایک رخصت ہے اور رخصت حقیقتاً کسی مطیع ہی کے لیے ہوسکتی ہے، نہ کہ نافرمان کے لیے۔ اگرچہ یہاں پر بھی رخصتِ افطار سب کے لیے عام ہے۔ بہرحال اس کے ذکر کرنے سے مقصد قائلینِ فرق کے قیاس کو باطل کرنا ہے۔ [1]

قصر کے لیے مسافت کا تعین: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں امت کے لیے قصر اور افطار کے لیے مسافت کی کوئی حد متعین نہیں کی گئی، بلکہ مطلق سفر «ضَرْبٌ فِي الْأَرْضِ» کے لیے اس حکم کو عام رکھا ہے جیسے کہ تیمّم کا حکم ہر سفر میں مطلق رکھا ہے۔ اور جن روایات میں ایک، دو یا تین دن کی تحدید وارد ہے تو ان میں سے کوئی بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ اسم جس کی لغت یا شریعت میں کوئی خاص تعریف موجود نہیں، اس کے لیے عرف کی طرف رجوع ہوگا، سو جو مسافت لوگوں کے عرف عام میں سفر ہے، اسی سفر پر شارع نے اپنا یہ حکم لگایا ہے۔

محدث البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ مسافت جس میں نماز قصر کرنا مشروع ہے، اس میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ اس میں تقریباً بیس قول آئے ہیں۔ ہم نے امام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ سے جو نقل کیا ہے، یہ صواب کے قریب تر اور شرعی حکمتوں کے لائق تر ہے۔ لوگوں کو قصر کے لیے ایک دن یا تین دن وغیرہ کی مسافت میں محدود و معین کر دینے سے لازم آتا ہے کہ یہ لوگ سفر سے پہلے اپنے پیش آمدہ سفر کی مسافتوں سے آگاہ ہوں، جبکہ اکثر لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے، بالخصوص جب سفر کسی ایسے علاقے کا ہو جہاں وہ پہلے کبھی گیا ہی نہ ہو۔

حدیثِ انس، جو آگے آرہی ہے، میں ایک اور علمی فائدہ یہ بھی ہے کہ قصر کی ابتدا شہر سے نکل کر ہوتی ہے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں: بعض علمائے کوفہ کا یہ خیال ہے کہ مسافر جب اپنے سفر کا ارادہ کر لے تو دو رکعتیں پڑھ لے، چاہے وہ اپنے گھر ہی میں ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ جب سوار ہو تو قصر کرے۔ علامہ ابن منذر نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، اس لیے کہ اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اپنی بستی کے گھروں سے

[1] وبل الغمام على شفاء الأوام: 1/349-350 بتحقيق المؤلف. [2] زاد المعاد: 1/463.

نکل کر قصر کرنا درست ہے، جبکہ اس سے پہلے قصر کرنے میں اختلاف ہے، پس چاہیے کہ اصل کے اعتبار سے مکمل نماز پڑھے حتی کہ قصر کرنا اس کے لیے صحیح طور پر ثابت ہو جائے۔ مزید کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ نبی ﷺ نے اپنے کسی سفر میں مدینے سے نکلنے سے پہلے قصر کی ہو بلکہ آپ ﷺ مدینے سے نکلنے کے بعد قصر کرتے تھے۔[1]

علامہ البانی فرماتے ہیں: اس معنی کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کی میں نے إرواء الغليل میں تخریج کی ہے، مثلاً: انس، ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کی احادیث۔[2]

جناب شعبہ، یحییٰ بن یزید ہنائی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے قصر کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر جانے کے لیے نکلتے تو دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔[3]

محدث البانی رحمہ اللہ الصحيحة (308,307/1) میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث دلیل ہے کہ مسافر جب تین فرسخ (تقریباً 24,23 کلومیٹر) کی مسافت پر جا رہا ہو تو اس کے لیے قصر کرنا جائز ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ معالم السنن (49/2) میں کہتے ہیں: حدیث اگر ثابت ہو جائے تو اس مسافت کی حد تین فرسخ ہو گی جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے۔ مگر میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جو اس کا قائل ہو۔

لیکن امام خطابی کی یہ آخری بات کئی اعتبار سے محل نظر ہے:

① حدیث ثابت ہے اور اس کے ثابت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔

② اگر کسی کو اس حدیث کے مطابق کسی فقیہ کے فتویٰ دینے کا علم نہ ہو تو اس سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ علم نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ سرے سے وہ بات ہی موجود نہیں۔

③ اس کے راوی انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل ہیں اور ان سے روایت کرنے والے یحییٰ بن یزید ہنائی نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔[4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور مفصل ہے اور اس کے مخالف نے اسے اس معنی پر محمول کیا ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جس کے بعد قصر کی ابتدا ہو گی، نہ کہ انتہائے سفر، مگر

[1] نيل الأوطار: 235/3. [2] السلسلة الصحيحة: 311,310/1. مزید دیکھیے إرواء الغليل، حدیث: 565. [3] [صحيح] مسند أحمد: 129/3. 3 فرسخ ہیں یا 3 میل، اس بارے میں شعبہ کو شک ہے۔ [4] السلسلة الصحيحة: 308,307/1.

اس مفہوم میں جو بُعد ہے، وہ بالکل واضح ہے۔[1]

تردد والی حالت میں قصر: شخص اپنی کسی ضرورت کے تحت کہیں ٹھہرے لیکن باقاعدہ اقامت کا ارادہ نہ ہو بلکہ تردد والی حالت ہو تو جب تک وہ اس حالت پر ہے، قصر کرتا رہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔[2]

اگر انیس (19) دن سے زیادہ اقامت کا عزم کر لیا جائے تو پوری نماز پڑھنی چاہیے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپ وہاں انیس دن ٹھہرے رہے اور دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم سفر پر جاتے ہیں اور کسی جگہ انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں، اگر اس سے زیادہ قیام ہو تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔[3]

سفر میں نفل نماز: امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سفر کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارک یہ ہے کہ آپ صرف فرض نمازیں ہی پڑھا کرتے تھے، کہیں یہ ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ آپ نے فرضوں سے پہلے یا بعد سنتیں پڑھی ہوں، سوائے وتر یا فجر کی سنتوں کے، آپ انھیں حضر یا سفر میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔[4]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب رہا ہوں، آپ دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے حتی کہ آپ وفات پا گئے، پھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مصاحب رہا، انھوں نے (دوران سفر میں) دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ وہ وفات پا گئے اور میں عمر رضی اللہ عنہ کا مصاحب رہا، انھوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر میں عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحب رہا، انھوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''بلاشبہ تمھارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''[5]

اس کے بعد ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی سواری کی پشت پر، جدھر بھی اس کا رخ ہوتا، نفل پڑھا کرتے تھے۔[6]

[1] فتح الباري: 568,567/2. [2] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب إذا أقام بأرض العدو يقصر، حديث: 1235، ومسند أحمد: 295/3. [3] صحيح البخاري، التقصير، باب ماجاء في التقصير وكم يقيم حتى يقصر، حديث: 1080، ومسند أحمد: 315/1. [4] زاد المعاد: 473/1. [5] صحيح البخاري، التقصير، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة، حديث: 1101، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 689. [6] زاد المعاد: 474/1.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر نوافل پڑھا کرتے تھے، جدھر بھی اس کا رخ ہوتا۔ [1]

جمعے کے دن سفر کے لیے نکلنا: علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سنت سے کہیں ایسی بات ثابت نہیں ہے کہ جمعے کے دن سفر کے لیے نکلنا مطلقاً منع ہو، بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام جمعے کے دن علی الصباح سفر کے لیے روانہ ہوئے تھے، مگر یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [2]

جناب اسود بن قیس رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو سفر کے لیے تیار معلوم ہوتا تھا، پھر سنا کہ وہ کہہ رہا تھا: اگر آج جمعہ نہ ہوتا تو میں روانہ ہو جاتا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلے جاؤ، جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ [3]

علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: زہری کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعے کے دن سفر کیا، اگرچہ مرسل ہے مگر معنوی طور پر صحیح ہے کہ جب تک آدمی (جمعے کی) اذان نہ سنے (سفر کے لیے نکل سکتا ہے لیکن) جب اذان سن لے تو اس کے لیے جمعے کو آنا واجب ہے۔ [4]

سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر پر روانہ ہو جاتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر لیتے، پھر اترتے اور ان دونوں نمازوں کو جمع کر لیتے اور اگر روانہ ہونے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو ظہر پڑھتے، پھر سوار ہوتے۔ [5]

معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ غزوۂ تبوک (کے سفر کے دوران) میں اگر سورج ڈھلنے سے پہلے روانہ ہو چکے ہوتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتی کہ اسے عصر کے ساتھ جمع کر کے پڑھتے اور اگر سورج ڈھلنے کے بعد روانہ ہوتے تو ظہر اور عصر دونوں اکٹھی پڑھ لیتے، پھر روانہ ہوتے۔ جب مغرب سے پہلے روانہ ہوتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتی کہ اسے عشاء کے ساتھ پڑھتے اور جب غروب کے بعد روانہ ہوتے تو عشاء کو جلدی کر کے مغرب کے ساتھ پڑھ لیتے۔ [6]

---

[1] صحيح البخاري، الوتر، باب الوتر في السفر، حديث: 1000، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، حديث: 700. [2] السلسلة الضعيفة: 387,386/1. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 187/3، والمصنف لابن أبي شيبة: 105/2. [4] المصنف لعبدالرزاق: 251/3، حديث: 5540. دیکھیے تمام المنة، ص: 320. [5] صحيح البخاري، التقصير، باب إذا ارتحل بعد مازاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب، حديث: 1112، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، حديث: 704. [6] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة المسافر، باب الجمع بين الصلاتين، حديث: 1206، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في الجمع بين الصلاتين، حديث: 553، ومسند أحمد: 241/5، نیز دیکھیے الإرواء، حديث: 578.

مقیم آدمی کا دو نمازیں جمع کرنا: امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ائمہ کی ایک جماعت مقیم آدمی کے لیے بوقت ضرورت دو نمازیں جمع کرنے کے جواز کی قائل ہے، بشرطیکہ وہ اسے اپنی عادت نہ بنا لے۔ یہ قول ابن سیرین کے علاوہ اصحاب مالک میں سے اشہب سے منقول ہے اور علامہ خطابی نے بروایت قفال اور شاشی کبیر، جو اصحاب شافعی میں سے ہیں، ابو اسحاق مروزی سے اور انھوں نے اصحاب الحدیث کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن منذر کی بھی یہی ترجیح ہے۔[1]

اس مذہب کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بغیر کسی خوف یا سفر کے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں۔ ابو زبیر کہتے ہیں کہ میں نے سعید سے سوال کیا: آپ نے ایسے کیوں کیا؟ انھوں نے کہا: تمھاری طرح میں نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا تو انھوں نے کہا تھا: آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان کی امت میں کسی کے لیے مشقت و حرج نہ ہو۔[2]

دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر اور مغرب عشاء کی نمازیں مدینہ منورہ میں بغیر کسی خوف یا بارش کے جمع کر کے پڑھیں۔ (ابوکریب کی روایت میں ہے کہ) میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیوں کیا؟ جواب ملا: تاکہ آپ کی امت کو مشقت نہ ہو۔[3]

مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دو نمازیں جمع کر لینا جائز ہے جیسا کہ نمازیں جمع کرنے کے سبب کے متعلق پوچھا گیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اپنی امت کو حرج میں نہ ڈالیں۔ اور انھوں نے جمع کرنے کے لیے کسی بیماری یا کسی اور سبب کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہی کہا کہ امت کو تنگی اور مشقت نہ ہو۔ تو جب یہ بات، یعنی حرج و مشقت ہو تو (بوقت ضرورت) دو نمازیں جمع کر لینا جائز ہے۔

جمع بین الصلاتین میں اذان ایک اور اقامتیں دو ہوں گی اور ان کے درمیان نفل نہیں ہوں گے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں دو نمازیں پڑھائیں جس میں اذان ایک اور اقامتیں دو ہوئیں۔ مزدلفہ آئے تو وہاں مغرب اور عشاء بھی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائیں اور ان کے درمیان کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی، پھر آپ لیٹ گئے حتی کہ فجر طلوع ہو گئی۔[4]

---

[1] شرح صحيح مسلم: 305/5، حديث: 706,705. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، حديث: 705. [3] صحيح مسلم، حديث: 705 بعد الحديث: 706. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، 1218، وسنن النسائي، مناسك الحج، باب الجمع بين الصلاتين بالمزدلفة، حديث: 3032.

نماز عیدین

نماز عید کا حکم: نماز عید واجب ہے کیونکہ رسالت مآب علیہ السلام نے اس کی ہمیشہ پابندی فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کے لیے نکلنے کا حکم بھی دیا ہے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عید فطر اور اضحیٰ میں نوجوان اور ماہواری والی عورتوں اور پردے میں بیٹھی دوشیزاؤں کو بھی ساتھ ہی نکال لے چلیں، البتہ ماہواری والی نماز سے (اور دوسرے لفظوں میں ہے: عیدگاہ سے) دور رہیں مگر اس موقع پر خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس پردے کی چادر نہ ہو تو؟ فرمایا: ''چاہیے کہ اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھا کر لے جائے۔''[1]

نماز عید کا وقت: صحابیِ رسول عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ عید فطر یا اضحیٰ کے دن عید کے لیے نکلے۔ امام نے تاخیر کر دی۔ انھوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: ''ہم تو اس وقت تک فارغ بھی ہو جاتے تھے'' اور یہ ضحیٰ کا وقت تھا۔[2]

یہ حدیث دلیل ہے کہ عید کا وقت سورج طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے لیے جلدی نکلا جائے، زیادہ تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

عید کے لیے اذان ہے نہ اقامت اور نہ یہ اعلانِ عام ہی کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ: سیدنا ابن عباس اور جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ عید فطر یا اضحیٰ کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی...... جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عید فطر کی نماز کے لیے کوئی اذان نہیں ہے، امام کے نکلنے پر نہ اس کے پہنچ جانے کے بعد، نہ کوئی اقامت ہے، نہ کوئی اعلان، نہ کوئی اور شے![3]

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب خروج النساء والحيض إلى المصلى، حديث: 974، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلى......، حديث: 890. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب وقت الخروج إلى العيد، حديث: 1135، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب في وقت صلاة العيدين، حديث: 1317.
[3] صحيح البخاري، العيدين، باب المشي والركوب إلى العيد والصلاة قبل الخطبة وبغير أذان ولا إقامة، حديث: 960، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 886.

نماز عید کی رکعتیں اور تکبیریں: نماز عید کی دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں بھی قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں، علاوہ تکبیر انتقال، کہی جاتی ہیں۔اور ہر دو تکبیروں کے درمیان معمولی سا سکتہ کیا جاتا ہے لیکن ان کے درمیان کوئی معین ذکر آپ علیہ السلام سے ثابت نہیں، تاہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان تکبیروں کے درمیان اللہ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود پڑھا جائے۔ [1] خلال نے اس کا ذکر کیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید فطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں، ان سے پہلے کچھ پڑھا نہ بعد میں۔ [2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فطر اور اضحیٰ میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات کہتے تھے جو رکوع کی تکبیرات کے علاوہ ہوتی تھیں۔ [3]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلتَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُولٰى وَخَمْسٌ فِي الْآخِرَةِ وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا»

''نماز فطر کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں اور قراءت دونوں رکعتوں میں تکبیرات کے بعد ہے۔'' [4]

عیدین میں قراءت: عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ نے بتایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن کیا قراءت کی تھی؟ میں نے بتایا کہ ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ﴾ اور ﴿ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ ﴾ [5]

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعے میں ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ ﴾ اور ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ ﴾ کی تلاوت کیا کرتے تھے اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تب بھی دونوں نمازوں میں انھی کی قراءت کرتے تھے۔ [6]

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي:3/292,291. [2] صحيح البخاري، العيدين، باب الخطبة بعد العيد، حديث:964، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب ترك الصلاة، قبل العيد وبعدها في المصلى، حديث: 884 بعد الحديث: 890. [3] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب التكبير في العيدين، حديث:1150,1149، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في كم يكبر الإمام في صلاة العيدين، حديث: 1280. [4] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب التكبيرفي العيدين، حديث: 1151، وإرواء الغليل: 3/109,108. [5] صحيح مسلم، صلاة العيدين، باب ما يقرأ في صلاة العيدين، حديث: 891. [6] صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878.

خطبہ نماز عید کے بعد ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں عید کے مواقع پر رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ حاضر رہا ہوں، یہ سب حضرات نماز خطبے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔[2]

جب عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں: جب عید جمعے کے دن آجائے تو جس شخص نے عید پڑھ لی ہو، اس پر جمعہ واجب نہیں رہتا۔ وہ جمعے کی بجائے تنہا نماز ظہر پڑھ سکتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ»

"تمھارے آج کے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، تو جو چاہے اس کے لیے عید جمعے سے کفایت کر جائے گی مگر ہم جمعہ پڑھیں گے۔"[3]

عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس عید کے دن جو جمعے کے دن تھی، دن کے پہلے حصے میں نماز پڑھا دی، پھر ہم جمعے کے لیے آئے، وہ نہ نکلے تو ہم نے اکیلے ہی نماز پڑھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما (ان دنوں) طائف میں تھے۔ وہ آئے تو ہم نے یہ بات ان سے کہی۔ انھوں نے کہا: عبداللہ بن زبیر نے سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔[4]

کسی سے عید کی نماز رہ جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے: جناب عبید اللہ بن ابو بکر، جو خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ اگر کبھی امام کے ساتھ نماز عید نہ پڑھ سکتے تو وہ اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ امام کی نماز کی طرح عید پڑھ لیا کرتے تھے۔[5]

علامہ ابن منذر بھی یہی کہتے ہیں کہ جس سے نماز عید فوت ہو جائے، وہ امام کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھ لے۔[6]

---

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب الخطبة بعد العيد، حديث: 962، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 884. [2] صحيح البخاري، العيدين، باب الخطبة بعد العيد، حديث: 963، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 888. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذاوافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1073، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيماإذا اجتمع العيدان في يوم، حديث: 1311. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1071، نیز ملاحظہ ہو صحيح سنن أبي داود. [5] السنن الكبرى للبيهقي: 305/3، والبخاري، معلقًا، نحوه مجزومًا به، (فتح الباري: 474/2) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تغلیق التعلیق (387,386/2) میں اس کے طرق وشواہد ذکر کیے ہیں۔ [6] الإقناع: 110/1.

اگر عید کی خبر زوال کے بعد ملے تو اگلی صبح نماز کے لیے نکلا جائے: جناب ابوعمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک قافلے والے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے گواہی دی کہ ہم نے گزشتہ روز چاند دیکھا ہے، تو آپ نے صحابہ کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ کل صبح عیدگاہ کی طرف نکلیں۔[1] اور علامہ ابن منذر کا بھی یہی فتویٰ ہے۔[2]

عید کے دن کے مستحب اعمال: (1) **زیب و زینت اور خوبصورت لباس زیب تن کرنا:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بازار میں ایک ریشمی جبہ فروخت کیا جا رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ خرید لیجیے اور عید اور وفود کے آنے کے موقع پر اسے زیب تن کیجیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ» ''یہ لباس ان لوگوں کا ہے جن کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''[3]

(2) **عید کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلنا:** ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلا کرتے تھے اور سب سے پہلی چیز جس سے آپ ابتدا فرماتے، وہ نماز ہوتی۔ نماز کے بعد لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے جبکہ لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے ہوتے تھے۔ آپ انھیں وعظ و وصیت کرتے اور کوئی حکم دیتے۔ اگر کوئی مہم روانہ کرنی ہوتی تو اسے روانہ کرتے یا کوئی بات کہنی ہوتی تو اس کا حکم صادر فرماتے، پھر وہاں سے واپس آتے۔[4]

(3) **راستہ بدل کے واپس آنا:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل کے آتے جاتے تھے۔[5]

(4) **عید الفطر میں کچھ کھا کر اور عید الاضحیٰ میں بغیر کچھ کھائے نکلنا چاہیے:** حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذالم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج من الغد، حديث: 1157، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في الشهادة على رؤية الهلال، حديث: 1653، نیز دیکھیے إرواء الغليل:3/103,102. [2] الإقناع: 110/1. [3] صحيح البخاري، العيدين، باب في العيدين والتجمل فيه، حديث: 948، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، حديث: 2068. اس سے ثابت ہوا کہ عید کے لیے اچھا خوبصورت لباس پہننا پسندیدہ ہے، نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی اصل بات پر رد نہیں کیا، آپ ﷺ نے رد وانکار اس جبے کے ریشمی ہونے کی بنا پر کیا کیونکہ ریشم مردوں کے لیے جائز نہیں۔ (عبدالولی) [4] صحيح البخاري، العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، حديث: 956، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 889. [5] صحيح البخاري، العيدين، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، حديث: 986.

اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن کچھ کھجوریں تناول کر کے ہی عید کے لیے نکلا کرتے تھے۔[1]

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن کچھ تناول کر کے ہی عید کے لیے نکلا کرتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن کچھ نہیں کھاتے تھے حتی کہ نماز پڑھ لیتے۔[2]

[5] عیدین میں تکبیرات: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

''اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔''[3]

یہ عیدالفطر کے بارے میں ہے جبکہ عیدالاضحیٰ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ ''اور گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو۔''[4]

اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾

''اسی طرح اس نے ان (چوپایوں) کو تمھارے تابع کر دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی۔''[5]

ان تکبیرات کا وقت عیدالفطر میں عیدگاہ کی طرف نکلنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک ہے۔

جناب زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے لیے نکلتے تو تکبیر کہتے حتی کہ عیدگاہ پہنچ جاتے اور نماز سے فارغ ہو جاتے تو اس کے بعد تکبیر چھوڑ دیتے۔[6]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین میں فضل بن عباس، عبداللہ بن عباس، علی، جعفر، حسن، حسین، اسامہ بن زید، زید بن حارثہ اور ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر نکلتے اور اونچی آواز سے تہلیل و تکبیر کہتے ہوئے لوہاروں کے راستے سے عیدگاہ پہنچتے اور جب فارغ ہو جاتے تو جفت سازوں (موچیوں) کے راستے سے واپس گھر آتے۔[7]

عیدالاضحیٰ میں تکبیرات کا وقت یوم عرفہ (9 ذوالحج) کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن (13 ذوالحجہ کی) عصر تک ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ یوم عرفہ کی فجر سے لے کر ایام تشریق

---

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 953. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 542، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب في الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 1756. [3] البقرة 2:185. [4] البقرة 2:203. [5] الحج 22:37. [6] المصنف لابن أبي شيبة: 164/2، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 171. [7] السنن الكبرٰى للبيهقي: 279/3.

کے آخری دن کی نماز عصر تک تکبیریں کہا کرتے تھے بلکہ عصر کے بعد بھی تکبیریں کہا کرتے تھے۔اسے ابن ابی شیبہ (165/2) نے دو سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک جید ہے۔ پھر انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور مستدرک حاکم (300/1) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

* تکبیروں کے الفاظ میں وسعت ہے: علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ اکبر میں تشفیع، یعنی ڈبل کہنا ثابت ہے۔ وہ ایام تشریق میں یوں کہا کرتے تھے: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» ابن ابی شیبہ (167/2) نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے مگر دوسرے مقام پر انھوں نے اسی سند سے یہ روایت ذکر کی تو وہاں تکبیر تین بار بتائی ہے۔ اور ایسے ہی بیہقی (315/3) نے یحییٰ بن سعید عن الحکم (ابن فروخ ابو بکار) عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے تین بار اللہ اکبر کہنا روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔[2]

نماز خوف

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ﴾

''اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ ساتھ لے اور اپنے ہتھیار لگائے رکھے۔''[3]

نماز خوف کی اقسام

1. امام ہر گروہ کو ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھائے: اس بارے میں جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اور نماز کے

[1] إرواء الغليل: 125/3. [2] إرواء الغليل: 125/3. [3] النسآء 4:102.

لیے اذان کہی گئی تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ پیچھے چلے گئے، پھر آپ نے دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور قوم کی دو دو رکعتیں۔ [1]

[2] دونوں گروہ امام کے ساتھ شریک رہیں، پہلا پیچھے ہو جائے اور دوسرا آگے آ جائے اور سب لوگ اکٹھے سلام پھیریں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف میں حاضر تھا۔ ہم نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھی، جبکہ دشمن ہمارے اور قبلے کے درمیان تھا، تو نبی ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے بھی تکبیر کہی، پھر رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی سر اٹھا لیا، پھر آپ اور آپ کے ساتھ متصل صف والے سجدے کے لیے جھک گئے اور پچھلی صف والے دشمن کے سامنے کھڑے رہے، جب نبی ﷺ نے اور آپ کے ساتھ والی صف والوں نے سجدے کر لیے تو پچھلی صف والے سجدے میں چلے گئے جبکہ پہلی صف والے کھڑے ہو گئے، پھر پچھلی صف والے آگے آ گئے اور پہلی والے پیچھے چلے گئے، پھر نبی ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے بھی رکوع کیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی سر اٹھا لیا، پھر آپ اور آپ کے ساتھ متصل صف والے سجدے کے لیے جھک گئے اور دوسری صف والے دشمن کے سامنے کھڑے رہے، جب نبی ﷺ نے اور آپ کے ساتھ متصل صف والوں نے سجدے کر لیے تو پچھلی صف والے سجدے میں گئے اور انھوں نے اپنے سجدے کیے، پھر نبی ﷺ نے سلام پھیرا تو ہم سب نے بھی سلام پھیر دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے (مثال دیتے ہوئے) فرمایا: جس طرح تمھارے یہ پہریدار اپنے امراء کے ساتھ کرتے ہیں۔ [2]

[3] امام ہر گروہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے اور پھر ہر گروہ اپنی ایک ایک رکعت ادا کر دے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھائی، اس طرح کہ ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے سامنے رہا، پھر یہ لوگ ہٹ گئے اور اپنے ساتھیوں کی جگہ پر دشمن کے مقابل ہو گئے اور وہ آ گئے تو ان کو بھی نبی ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی، پھر نبی ﷺ نے سلام پھیرا، تب اس گروہ نے باقی ایک رکعت پڑھی اور دوسرے گروہ نے بھی پڑھی۔ [3]

[4] دونوں گروہ امام کے ساتھ قیام اور سلام میں شریک رہیں: جناب مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرِّقاع، حديث: 426، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 843. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 840. [3] صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف، حديث: 942، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 839.

نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! انھوں نے پوچھا: کب؟ جواب دیا: غزوۂ نجد کے سال۔ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابل رہا اور ان کی کمریں قبلے کی طرف تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی، اور ان لوگوں نے بھی تکبیر کہی جو آپ کے ساتھ تھے اور جو دشمن کے بالمقابل تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا پہلا رکوع اور آپ کے ساتھ متصل گروہ نے بھی رکوع کیا، پھر سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ متصل گروہ نے بھی سجدہ کیا، جبکہ دوسرے لوگ دشمن کے مقابل کھڑے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو وہ گروہ بھی اٹھ کھڑا ہوا جو آپ کی معیت میں تھا۔ پھر وہ لوگ دشمن کے سامنے چلے گئے اور وہ گروہ جو دشمن کے سامنے تھا، آ گیا، اب اس گروہ کے افراد نے آ کر رکوع اور سجدہ کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ (اس دوران) اسی حالت میں کھڑے رہے، پھر جب وہ لوگ (سجدوں سے فارغ ہوکر) کھڑے ہوئے تو آپ نے رکوع کیا دوسری رکعت کا رکوع، ان لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر اس کے بعد آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر وہ گروہ آ گیا جو دشمن کے سامنے تھا، تو انھوں نے اپنا رکوع اور سجدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ والے بیٹھے رہے، جب سلام کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں نے سلام پھیرا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ اور ہر دو گروہ کے ہر فرد کی دو دو رکعتیں ہو گئیں۔[1]

(5) امام ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور انتظار کرے کہ ہر گروہ کے افراد ایک رکعت پڑھ لیں: جناب صالح بن خَوَّات ایک شخص سے جس نے غزوۂ ذات الرقاع[2] کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی تھی، روایت کرتے ہیں کہ ایک گروہ نے آپ ﷺ کے ساتھ صف بنائی[3] جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے سامنے ڈٹا رہا، آپ نے اپنے ساتھ والوں کو ایک رکعت پڑھائی، پھر آپ کھڑے رہے اور ان لوگوں نے اپنے طور پر نماز پوری کی اور فارغ ہو کر دشمن کے سامنے آ گئے، پھر دوسرا گروہ آیا تو آپ نے ان کو اپنی بقیہ ایک رکعت پڑھائی، پھر آپ بیٹھے رہے حتی کہ انھوں نے اپنی نماز پوری کی، پھر آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔[4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يكبرون جَميعًا، حديث: 1240، وسنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1544. [2] غزوۂ ذات الرقاع وہ معروف غزوہ ہے جو نجد میں غطفان کے علاقے میں 5 ہجری میں ہوا تھا اور اسے ''ذات الرقاع'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں جوتے نہ ہونے کی وجہ سے زخمی ہو گئے، تو انھیں ان پر کپڑے اور پٹیاں لپیٹنی پڑی تھیں اور یہی بات اس کی وجہ تسمیہ میں زیادہ صحیح ہے۔ [3] اکثر نسخوں میں «صَفَّتْ مَعَهُ» ''انھوں نے آپ کے ساتھ صف بنائی'' آیا ہے جب کہ کچھ میں «صَلَّتْ مَعَهُ» ''یعنی انھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔'' یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث: 4129، صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 842.

یہ سب صورتیں جائز ہیں کیونکہ یہ مختلف مقامات اور مختلف احوال میں پیش آئی ہیں۔ جو بھی صورت نبی ﷺ سے منقول ہے، اس میں سے جو آسان لگے، اسے مصلحت کے مطابق اختیار کرنا جائز ہے اور جب خوف بہت زیادہ ہو، گھمسان کا رن پڑ رہا ہو تو سوار، پیدل (سب لوگ اپنے اپنے طور پر) پڑھ لیں، چاہے قبلہ رخ نہ بھی ہوں، خواہ اشارے ہی سے نماز پڑھنی پڑے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آیا ہے: اگر خوف اس سے بھی شدید تر ہو تو اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، یا سوار، نماز پڑھ لیں، چاہے قبلہ رخ ہوں یا نہ ہوں۔[1]

نماز جمعہ

وجوب جمعہ: جمعہ عورت، غلام، مسافر اور مریض کے علاوہ ہر مکلّف پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

”اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعے کے دن، تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کرنا چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔“[2]

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَّمْلُوكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ»

”جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ حق واجب ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے: غلام، عورت، بچہ اور مریض۔“[3]

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ﴾، حديث: 4535، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 839. [2] الجمعة 62:9. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة، حديث: 1067. امام ابو داود فرماتے ہیں کہ طارق نے نبی ﷺ سے نہیں سنا ہے۔ امام حاکم نے اسے المستدرک (288/1) میں روایت کیا اور فرمایا: ”یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے صحیحین میں درج نہیں کیا ہے۔ بلاشبہ ہریم بن سفیان سے انھوں نے حجت لی ہے، ابن عیینہ نے اسے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے روایت کیا ہے اور انھوں نے اس میں ابو موسیٰ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور طارق بن شہاب کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔“ بیہقی نے بھی سنن کبریٰ (183/3) میں اسی حدیث کو ذکر کیا ››

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُحْتَلِمٍ» ”جمعے کے لیے جانا ہر بالغ پر واجب ہے۔“ [1]

نماز جمعہ کا التزام (پابندی کے ساتھ) کرنا اور جلدی آنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ»

”جس نے جمعے کے دن غسلِ جنابت کی طرح غسل کیا اور جمعے کے لیے جلدی گیا، اس نے گویا ایک اونٹ قربان کیا۔ جو دوسری گھڑی میں آیا، اس نے گویا ایک گائے قربان کی۔ جو تیسری گھڑی میں آیا، اس نے گویا سینگوں والا دُنبہ قربان کیا۔ جو چوتھی گھڑی میں آیا، اس نے گویا مرغی صدقہ کی۔ جو پانچویں گھڑی میں آیا، اس نے گویا انڈہ صدقہ کیا، اور جب امام آجاتا ہے تو فرشتے بھی ذکر سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔“ [2]

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنَ الطُّهْرِ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى»

« ہے اور فرمایا ہے: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر عمدہ قسم کی ہے، طارق جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، اور ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مگر آپ سے سنا نہیں، اس حدیث کے اور بھی شواہد موجود ہیں۔ الغرض حدیث صحیح ہے۔ واللہ أعلم. امام زیلعی نے نصب الراية (199/2) میں امام نووی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ صحابی کی مرسل حدیث ہے اور وہ حجت ہوتی ہے۔(عبدالولی) [1] [صحيح] سنن النسائي، الجمعة، باب إيجاب الجمعة، حديث: 1372۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے، اس لیے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حج، جہاد وغیرہ کے لیے سفر کیے، تعداد زیادہ ہونے کے باوجود بھی ان اہلِ سفر نے جمعے کی نماز نہیں پڑھی، اس کی بجائے ظہر کی نماز پڑھی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے إرواء الغليل، حديث: 594، والموسوعة الفقهية لحسين بن عودة: 367/2. (عبدالولی) [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الجمعة، حديث: 881، وصحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث: 850.

’’جو آدمی جمعے کے دن غسل کرے، اور حتی المقدور طہارت و پاکیزگی اختیار کرے، اور اپنے تیل میں سے یا جو گھر میں خوشبو میسر ہو اسے لگائے، پھر نکلے (مسجد کی طرف) اور کسی دو میں تفریق نہ کرے، اور جتنی توفیق ہو نماز پڑھے، پھر جب امام گفتگو کرے (خطبہ دے) تو خاموشی سے سنے تو اس کے لیے ایک جمعے سے لے کر دوسرے جمعے تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔‘‘ [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهُ، ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى، وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»

’’جس نے غسل کیا، پھر جمعے کے لیے آیا اور جتنی توفیق ہوئی نماز پڑھی، پھر خاموش رہا حتی کہ امام خطبے سے فارغ ہو گیا، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے لیے اس جمعے سے دوسرے جمعے تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں بلکہ مزید تین دن کے بھی!‘‘ [2]

نماز جمعہ سے سستی کرنے پر وعید: عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ»

’’لوگ اپنے جمعے چھوڑنے سے باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر یہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔‘‘ [3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق جو جمعے سے پیچھے رہتے ہیں، فرمایا:

«لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَّتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ»

’’میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک آدمی کو حکم دوں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر ان لوگوں کی (گھروں میں)

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الدُّهن للجمعة، حديث: 883. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: 857. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب التغليظ في ترك الجمعة، حديث: 865.

موجودگی میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعے سے پیچھے رہتے ہیں۔"[1]

ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلٰى قَلْبِهِ»

"جس نے جمعے کو معمولی اور ہلکا جانتے ہوئے تین جمعے چھوڑ دیے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔"[2]

نماز جمعہ کا وقت ظہر والا ہی ہے: چونکہ یہ نماز ظہر کا بدل ہے تو اس کا وقت بھی ظہر والا ہی ہے، تاہم بعض روایات سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے، مثلاً: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھا کرتے تھے، پھر جب ہم (فارغ ہوکر) واپس ہوتے تو دیواروں کا سایہ اتنا (زیادہ) نہ ہوتا کہ ہم اس سے سایہ حاصل کریں۔[3]

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعے کے لیے بہت جلدی جایا کرتے تھے اور قیلولہ نماز جمعہ کے بعد کیا کرتے تھے۔[4]

سہل بن سعد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم قیلولہ جمعے کے بعد کرتے تھے اور دوپہر کا کھانا بھی جمعے کے بعد ہی کھایا کرتے تھے۔[5]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ پڑھتے تھے، پھر لوگ اپنے اونٹوں کے پاس جاتے اور انھیں آرام کے لیے چھوڑ دیتے تھے حتی کہ سورج ڈھل جاتا۔[6]

عام نمازوں میں جماعت امام کے علاوہ ایک مقتدی سے منعقد اور درست ہوتی ہے۔ اور جمعہ بھی نماز ہی ہے، لہٰذا جمعے کی نماز بھی کم از کم امام اور ایک مقتدی سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس سے زیادہ تعداد کی شرط لگاتے ہیں، ان کے ذمے دلیل لانا ہے جبکہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ۔ نیل الاوطار میں امام شوکانی نے اور الضعيفة (1204) میں شیخ البانی نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، حديث: 652، ومسند أحمد: 402/1. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجمعة، حديث: 1052، و مسند أحمد: 424/3. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4168، وصحيح مسلم، الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، حديث: 860. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، حديث: 905. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب قول الله تعالى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾، حديث: 939، وصحيح مسلم، الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، حديث: 859. [6] صحيح مسلم، الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، حديث: 858.

خطبۂ جمعہ میں آپ ﷺ کا طریق کار: ① افتتاح خطبہ کے لیے آپ ﷺ سے منقول الفاظ: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنا خطبہ (اور اہم گفتگو) خطبۂ حاجت سے شروع فرمایا کرتے تھے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

”بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفوس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ جسے سیدھی راہ پر چلا دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ پھسلا دے تو اس کے لیے کوئی ہادی نہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

”اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔“ [1]

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“ [2]

[1] آل عمرٰن 102:3. [2] النسآء 1:4.

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ وہ تمھارے عمل درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“ [1]

اما بعد: بلاشبہ سب سے سچی بات کتاب اللہ کی ہے، اور بہترین نمونہ محمد ﷺ کی سیرت طیبہ ہے، (دین میں) سب سے برے کام وہی ہیں جو نئے ایجاد کیے جاتے ہیں اور (دین میں) ہر نئی ایجاد بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے۔“ [2]

[2] **نماز لمبی اور خطبہ مختصر:** عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ، مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا»

”بلاشبہ نماز کا لمبا کرنا اور خطبے کا مختصر رکھنا آدمی کی سمجھ داری کی علامت ہے، سو نماز لمبی اور خطبہ مختصر رکھا کرو، اور بعض بیان جادو ہوا کرتے ہیں۔“ [3]

[3] **جمعے کا خطبہ منبر پر دیا جائے:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: «مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَلْيَغْتَسِلْ» ”جو جمعے کے لیے آئے، وہ غسل کرے۔“ [4]

معلوم رہے کہ منبر میں سنت یہ ہے کہ اس کی سیڑھیاں صرف تین ہوں، اس سے زیادہ نہ ہوں، اضافہ بدعت

---

[1] الأحزاب 33:70،71. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 867، و مسند أحمد: 3/310،311، و سنن الدارمي، حديث: 210، و كتاب الأسماء والصفات للبيهقي، حديث: 137 وغیرہ، طیالسی (حدیث: 338) نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا اور یہ اضافہ کیا ہے کہ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحاق سے پوچھا: کیا یہ خطبۂ نکاح کے علاوہ دوسرے مواقع حاجات میں بھی ہے؟ تو انھوں نے کہا: یہ تو ہر ہر ضرورت میں ہے۔ علامہ البانی اپنے رسالے خطبة الحاجة (ص: 12) میں لکھتے ہیں: یہ مبارک خطبہ چھ صحابۂ کرام سے مروی ہے، یعنی عبداللہ بن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، نبیط بن شریط اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور ایک تابعی زہری رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، پھر البانی صاحب نے اس سیاق پر مفصل بحث کی ہے اور آخر میں (ص: 31 میں) لکھتے ہیں: گزشتہ احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھی الفاظ سے تمام خطبوں کا افتتاح ہونا چاہیے، چاہے خطبۂ نکاح ہو یا خطبۂ جمعہ۔ یہ الفاظ خطبۂ نکاح سے مخصوص نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر باور کیا جاتا ہے بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں اس کی تصریح بھی آئی ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اور اسے سلف صالح کے عمل کی تائید حاصل ہے کہ وہ حضرات انھی کلمات سے اپنے خطبات کی ابتدا کیا کرتے تھے......“ الخ۔ [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 869. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب الخطبة على المنبر، حديث: 919.

ہے۔ بسا اوقات یہ چیز صف کاٹنے کا باعث بنتی ہے، اور اس مشکل سے بچنے کے لیے اسے مسجد کے مغربی کونے میں بنانا یا محراب میں بنانا ایک اور بدعت ہے، یا اسے جنوبی جانب دیوار میں بالکونی کی طرح بنانا ایک تیسری بدعت ہے جس پر دیوار کے ساتھ جڑی ہوئی سیڑھی کے ذریعے سے چڑھتے ہیں۔

(4) خطیب کھڑے ہو کر خطبہ دے اور خطبوں کے درمیان بیٹھے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، پھر بیٹھتے اور پھر کھڑے ہو جاتے تھے جیسا کہ تم اب کرتے ہو۔ [1]

(5) خطبۂ جمعہ قرآن کریم کی آیات پر بھی مشتمل ہونا چاہیے: حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ﴾ [2]

"اور وہ (داروغۂ جہنم کو) پکاریں گے: اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ کہے گا: بے شک تم تو ہمیشہ (اسی عذاب میں) رہو گے۔" [3]

ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۂ قٓ نبی ﷺ ہی کی زبان سے (سن کر) یاد کی ہے۔ آپ اسے ہر جمعے میں خطبہ دیتے ہوئے منبر پر پڑھا کرتے تھے۔ [4]

(6) خطبے میں حسب ضرورت آواز بلند کرنی چاہیے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ شدید ہو جاتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہوں کہ گویا صبح گئے یا شام گئے تم پر حملہ ہوا چاہتا ہے۔ [5]

(7) خطیب کو چاہیے کہ لوگوں میں سے کسی کو معین طور پر نشانہ بنائے بغیر ان کی تقصیر پر متنبہ کرے: جناب شبیب ابوروح ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرآن کریم کی قراءت خلط ملط ہو گئی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الطُّهُورَ، فَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أُولٰئِكَ»

"لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وضو بھی درست نہیں کرتے، چنانچہ یہ لوگ قرآن

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الخطبة قائمًا، حديث: 920، وصحيح مسلم، الجمعة، باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة وما فيهما من الجلسة، حديث: 861. [2] الزخرف 43:77 [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ﴾، حديث: 4819، وصحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 871. [4] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 873. [5] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 867.

کو ہمارے اوپر خلط ملط کر دیتے ہیں۔"[1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں میں وصال شروع کر دیا (درمیان میں روزہ افطار نہ کرتے تھے)، کچھ صحابہ نے بھی آپ کی دیکھا دیکھی وصال شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا:

«مَا بَالُ رِجَالٍ يُوَاصِلُونَ، إِنَّكُمْ لَسْتُمْ مِّثْلِي . . . »

"لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وصال کرنے لگے ہیں، تم میری طرح نہیں ہو......"[2]

8 خطبہ دیتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اشارہ نہ کیا جائے: جناب عمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ منبر پر اپنے ہاتھ بلند کیے ہوئے تھا، انھوں نے کہا: اللہ ان ہاتھوں کو رسوا کرے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ نہ اٹھاتے تھے، اور انھوں نے اپنی انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کر کے دکھایا۔[3]

9 خطیب منبر کے پاس دعا کے لیے رکے نہ منبر پر چڑھنے میں تاخیر کرے، نہ لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے سے پہلے قبلہ رخ ہو کر دعا میں مشغول ہو: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منبر پر آنے کے بعد امام کا دعا میں مشغول ہونا ایسا عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔[4]

خطبے کے دوران میں کسی کو نیند آنے لگے تو اسے چاہیے کہ اپنی جگہ بدل لے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي مَجْلِسِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ إِلٰى غَيْرِهِ»

"جمعے کے دن جب کسی کو اپنی جگہ پر نیند آنے لگے تو وہ اپنی جگہ بدل لے۔"[5]

خطبے کے دوران میں گفتگو حرام ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ : أَنْصِتْ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَدْ لَغَوْتَ»

"جمعے کے دن جب تو اپنے ساتھی سے کہے "چپ رہ" جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کام کیا۔"[6]

[1] [حسن] سنن النسائي، الافتتاح، باب القراءة في الصبح بالروم، حديث: 948. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1104. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 874. [4] الاختيارات: 440/4، ضمن الفتاوى الكبرٰى. [5] [صحيح]جامع الترمذي، الجمعة، باب فيمن ينعس يوم الجمعة أنه يتحول من مجلسه، حديث: 526، ومسند أحمد: 22/2. [6] صحيح البخاري، الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة، والإمام يخطب، حديث: 934، وصحيح مسلم، الجمعة، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، حديث: 851 واللفظ له.

جس نے جمعے کی ایک رکعت پالی اس نے جمعہ پالیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْجُمُعَةِ أَوْ غَيْرِهَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ»

''جس نے جمعہ یا کسی دوسری نماز کی ایک رکعت پالی تو اس کی نماز (بقیہ کے ملانے سے) پوری ہوئی۔'' [1]

نماز جمعہ میں مسنون قراءت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے۔ [2]

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عیدین اور جمعے میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝﴾ اور ﴿هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴾ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ [3]

نماز جمعہ کے بعد سنتیں پڑھنا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا»

''جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔'' [4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسالت مآب ﷺ جمعے کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ [5]

جمعے کے لیے آنے والا امام کے آنے سے پہلے پہلے جس قدر چاہے نفل پڑھ سکتا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ، ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى، وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، المواقيت، باب من أدرك ركعة من الصلاة، حديث: 558، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيمن أدرك من الجمعة ركعة، حديث: 1123. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في يوم الجمعة، حديث: 879. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878. بعض خطیبوں کا نماز جمعہ میں ان سورتوں کی آخری چند آیات پر اکتفا کرنا، اسے معمول بنا لینا اور یہ سمجھنا کہ اس طرح مسنون قراءت پر عمل ہو جاتا ہے، ٹھیک بات نہیں۔ (مترجم)
[4] صحيح مسلم، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، حديث: 881، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة بعد الجمعة، حديث: 1131. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، حديث: 937، وصحيح مسلم، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، حديث: 882. جمعے کے بعد چار رکعت پڑھنا مذکورہ بالا قولی حدیث کی وجہ سے افضل ہے، خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں، جبکہ گھر میں صرف دو رکعت پڑھنا بھی مذکورہ بالا فعلی حدیث کی وجہ سے مشروع اور سنت ہے۔ (عبدالولی)

”جس نے غسل کیا، پھر جمعے کے لیے آیا اور جتنی اسے توفیق ہوئی نماز پڑھی، پھر خاموش رہا حتی کہ امام اپنے خطبے سے فارغ ہو گیا، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے لیے اس جمعے سے لے کر اگلے جمعے تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، بلکہ مزید تین دن کے بھی۔“ [1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (جمعے کے روز) جب بلال رضی اللہ عنہ اذان دے لیتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع فرما دیا کرتے تھے اور کوئی بھی شخص دو رکعتیں پڑھنے کے لیے نہیں اٹھتا تھا، اور اذان بھی ایک ہی ہوا کرتی تھی۔ تو یہ لوگ (مزعومہ) سنتیں کب پڑھا کرتے تھے؟ [2]

جمعے کے لیے جامع مسجد میں پہنچنے کا اہتمام کرنا چاہیے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ جمعے کے لیے اپنے گھروں سے متواتر آیا کرتے تھے اور عوالی (مدینہ منورہ کی بالائی جانب کی دور کی آبادیوں) سے بھی۔“ [3]

اگر جمعہ اور عید ایک دن میں جمع ہو جائیں؟ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کسی ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں جب ایک دن میں دو عیدیں (جمعہ اور عید) اکٹھی ہو گئی ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں! آپ نے پہلے پہر عید پڑھی اور پھر جمعے سے رخصت دے دی، فرمایا:

«مَنْ شَاءَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ»

”جو جمعہ پڑھنا چاہتا ہے، وہ پڑھ لے۔“ [4]

عید کے دن جمعے کا اہتمام: امام کے لیے جمعے کا اہتمام کرنا مستحب ہے تاکہ جو شخص عید کے لیے نہ آ سکا ہو وہ جمعے میں آ جائے، اسی طرح وہ لوگ جو عید کی نماز پڑھ چکے ہوں اگر وہ جمعہ پڑھنا چاہیں تو وہ بھی شامل ہو سکیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ»

”تمھارے آج کے دن میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، سو جو چاہے اس کے لیے عید جمعے سے کفایت کرنے

[1] صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: 857. [2] زاد المعاد: 431/1. حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگ جو جمعے سے پہلے چار سنتیں بتاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (عبدالولی) [3] صحيح البخاري، الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة.....، حديث: 902، وصحيح مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال وبيان ما أمروا به، حديث: 847. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1070، ومسند أحمد: 372/4 واللفظ له.

والی ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے۔''[1]

جمعے کے دن مستحب اذکار اور دعائیں: (1) نبی ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھنا: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ». فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللهِ! كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ يَعْنِي بَلِيتَ - وَقَالَ: «إِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ»

''تمھارے افضل دنوں میں سے جمعے کا دن بڑی فضیلت رکھتا ہے، اس دن آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اس دن (قیامت کا) نفخہ (صور) ہے اور اسی دن صعقہ (مدہوشی) ہو گی تو اس دن مجھ پر کثرت سے صلاۃ (درود) پڑھا کرو، بلاشبہ تمھاری یہ صلاۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے۔'' ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہماری یہ صلاۃ آپ پر کیسے پیش کی جائے گی، حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بدن کھانا حرام کر دیا ہے۔''[2]

(2) **سورۂ کہف کی تلاوت:** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس نے جمعے کے دن سورۂ کہف پڑھ لی، اس کے لیے اگلے جمعے تک نور، یعنی روشنی رہے گی۔''[3]

(3) **قبولیت کی گھڑی کی موافقت کی امید پر بہت زیادہ دعائیں کرنا:** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جمعے کے دن ایک گھڑی ہوتی ہے، جو مسلمان اسے پا لے جبکہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کا سوال کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ (خیر) عطا فرما دے گا۔'' آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ''یہ گھڑی تھوڑی سی (مدت کی) ہوتی ہے۔''[4]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1073، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما إذا اجتمع العيدان في يوم، حديث: 1311. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1531، و مسند أحمد: 8/4، و المستدرك للحاكم: 278/1، و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب في فضل الجمعة، حديث: 1085 واللفظ له. [3] [صحيح] المستدرك للحاكم: 368/2، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 249/3 و صححه الألباني في الإرواء، حديث: 626. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، حديث: 935، وصحيح مسلم، الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، حديث: 852، ومسند أحمد: 230/2.

نماز باجماعت

نماز باجماعت کا شرعی حکم: ① **نماز باجماعت کے وجوب کے دلائل:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِّنْ حَطَبٍ، إِلٰى قَوْمٍ لَّا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ»

''منافقوں کے لیے دو نمازیں سب سے بھاری ہیں: عشاء اور فجر کی نماز۔ اگر انھیں معلوم ہو کہ ان میں کیا (اجر وفضیلت) ہے تو ان نمازوں کے لیے ضرور آتے، چاہے انھیں اپنے کولھوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر آنا پڑتا۔ بلاشبہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کا حکم دوں، اس کی اقامت کہی جائے، پھر کسی سے کہوں کہ نماز پڑھائے، اور خود کچھ لوگوں کو ساتھ لوں جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوں اور ان کے تعاقب میں جاؤں جو نماز پڑھنے نہیں آتے، پھر میں ان کے گھروں کو ان کی موجودگی میں آگ سے جلا ڈالوں۔''[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینے آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا کوئی رہبر نہیں ہے جو میرا ہاتھ پکڑے اور مجھے مسجد تک لے آئے، اس نے عرض کیا کہ مجھے رخصت مرحمت فرمایئے کہ میں گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کروں، آپ نے اسے اجازت دے دی، جب اس نے پیٹھ پھیری (اور واپس جانے لگا) تو آپ نے اسے بلایا اور دریافت فرمایا: «هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ؟» ''کیا اذان سنتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: «فَأَجِبْ» ''تب (مسجد) آؤ۔''[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو دیکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص جماعت سے پیچھے نہ رہتا

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، حديث: 657، وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، حديث: 651 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، حديث: 653، وسنن النسائي، الإمامة، باب المحافظة على الصلوات حيث ينادي بهن، حديث: 851.

تھا سوائے کسی منافق کے جس کا نفاق صاف ظاہر ہوتا اور ایسا بھی ہوتا کہ کسی کو دو آدمیوں کا سہارا دے کر لایا جاتا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔ [1]

[2] **نماز باجماعت کے سنت ہونے کے دلائل:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلَى صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِينَ دَرَجَةً»

''جماعت کی نماز، تنہا نماز سے ستائیس درجے افضل ہوتی ہے۔'' [2]

محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور وہ اپنی قوم کی امامت کرایا کرتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تاریکی اور بارش کا پانی ہوتا ہے، نیز میں نابینا آدمی ہوں، لہٰذا اے اللہ کے رسول! میرے گھر میں نماز پڑھیے تاکہ میں اس جگہ کو اپنے لیے جائے نماز بنا لوں، چنانچہ آپ علیہ السلام ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا:

«أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟» فَأَشَارَ إِلٰى مَكَانٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ»

''تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟'' تو انھوں نے گھر میں ایک جگہ کا اشارہ کیا، چنانچہ آپ نے وہاں نماز پڑھی۔'' [3]

مِحْجَن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ نماز کے لیے اذان کہی گئی، رسول اللہ ﷺ اٹھے، نماز پڑھی، پھر واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ محجن اسی جگہ بیٹھے ہیں اور انھوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے پوچھا:

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب صلاة الجماعة من سنن الهدى، حديث: 654، ومسند أحمد: 382/1. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، حديث:645، و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، و بيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، حديث: 650، ومسند أحمد: 65/2 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله، حديث: 667، وصحيح مسلم، المساجد، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، حديث: 33 بعد الحديث: 657. مرد کے لیے باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو، بعض لوگوں نے جماعت کے واجب نہ ہونے پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منفرد کی نماز صحیح ہے، جیسا کہ مؤلف صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے، حالانکہ مذکورہ حدیثوں سے منفرد کی نماز کا صحیح ہونا اور اس کے لیے ایک درجے کا ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ وجوب کے منافی نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مجموع الفتاوی: 232/23 اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام المنة، ص: 277. (عبدالولی)

«مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ، أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ؟ فَقَالَ: بَلٰی، يَارَسُولَ اللهِ! وَلٰكِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ، وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ»

''تجھے کیا رکاوٹ تھی کہ تو نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ کیا تو مسلمان نہیں ہے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! دراصل میں اپنے گھر میں نماز پڑھ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

''جب تم آؤ تو لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لیا کرو، چاہے تم نے (پہلے) نماز پڑھ ہی لی ہو۔'' [1]

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَّمْشًى، وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ»

''نماز کے اجر میں سب سے بڑھ کر وہی ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آیا ہے، اور جو نماز کا انتظار کرتا ہے حتی کہ امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، وہ زیادہ اجر والا ہے بہ نسبت اس آدمی کے جو نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔'' [2]

الغرض گزشتہ احادیث کی روشنی میں جماعت کے ساتھ مل کر نماز ادا کرنا نہایت مؤکد طریقہ ہے، یہ اسلام کے عظیم ترین نشانات اور شعائر میں سے ہے اور اللہ رب العزت کے حضور تقرب کے افضل اعمال میں سے ہے۔

خواتین مسجد میں آ سکتی ہیں مگر ان کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا»

''جب تم میں سے کسی کی بیوی اس سے مسجد جانے کی اجازت چاہے تو وہ اسے مت روکے۔'' [3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُورًا، فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ»

[1] [صحيح] سنن النسائي، الإمامة، باب إعادة الصلاة مع الجماعة بعد صلاة الرجل لنفسه، حديث:858، و مسند أحمد: 34/4، والموطأ للإمام مالك:35/1 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، حديث: 651، و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، حديث:662. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب استئذان المرأة زوجها في الخروج إلى المسجد وغيره، حديث:5238، و صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة وأنها لا تخرج مطيبة، حديث:442 واللفظ له.

”جس عورت نے خوشبو لگائی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں ہرگز نہ آئے۔“ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ»

”اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے مت روکو۔ تاہم ان کے گھر ان کے لیے بہت بہتر ہیں۔“ [2]

جناب عبداللہ بن سوید انصاری اپنی پھوپھی ام حمید رضی اللہ عنہا زوجۂ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے معلوم ہے کہ تمھیں میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند ہے مگر وہ نماز جو تم اپنے گھر (کے کمرے) میں پڑھو، افضل ہے اس نماز سے جو تم اپنے حجرے میں پڑھو، اور وہ نماز جو تم اپنے حجرے میں پڑھو، وہ افضل ہے تمھاری اس نماز سے جو تم اپنے بڑے احاطے میں پڑھو اور تمھاری وہ نماز جو تم اپنے بڑے احاطے میں پڑھو، افضل ہے اس نماز سے جو تم اپنی قوم کی مسجد میں پڑھو، اور تمھاری وہ نماز جو تم اپنی قوم کی مسجد میں پڑھو، افضل ہے اس نماز سے جو تم میری مسجد میں پڑھو۔“ عبداللہ بن سوید فرماتے ہیں: چنانچہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو ان کے لیے گھر کے آخری حصے میں ایک اندھیری جگہ میں جائے نماز بنا دی گئی، چنانچہ وہ زندگی بھر وہیں نماز پڑھتی رہیں حتی کہ اللہ سے جا ملیں۔ [3]

نماز کی جماعت دو آدمیوں سے بھی ہو جاتی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک رات (اپنی خالہ) میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سو گیا۔ اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھی کے ہاں قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے، میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے پکڑا اور اپنی داہنی جانب کر لیا۔ [4]

جماعت میں جس قدر افراد زیادہ ہوں اسی قدر ثواب زیادہ ہوتا ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، پھر دریافت فرمایا:

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذالم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة، حديث:444، وسنن أبي داود، الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، حديث:4175. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، حديث:567. [3] [صحيح] مسند أحمد:371/6، و صحيح ابن خزيمة:95/3، حديث:1689. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام فحوّله الإمام إلى يمينه لم تفسد صلاتهما، حديث:698، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ و دعائه بالليل، حديث:763.

«أَشَاهِدٌ فُلَانٌ؟» قَالُوا: لَا. قَالَ: «أَشَاهِدٌ فُلَانٌ؟» قَالُوا: لَا. قَالَ: «إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَيْتُمُوهُمَا وَلَوْحَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ، وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوهُ، وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلَاتَهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''کیا فلاں حاضر ہے؟''لوگوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا:''کیا فلاں حاضر ہے؟'' لوگوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا:''بلاشبہ یہ دو نمازیں منافقوں کے لیے بہت بھاری ہیں۔ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ ان میں کیا کچھ (اجر وثواب اور فضیلت) ہے تو تم ان میں ضرور آؤ، چاہے تمھیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی آنا پڑے، اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی مانند ہے۔ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ اس کی فضیلت کیا ہے تو تم ضرور اس کی طرف لپک کر آنے لگو، اور آدمی کی دوسرے آدمی کی معیت میں (پڑھی جانے والی) نماز اکیلے کی نماز سے بہت عمدہ ہوتی ہے، اور دو آدمیوں کی معیت والی نماز ایک آدمی کی معیت والی نماز کی نسبت بہت عمدہ ہوتی ہے، اور جس قدر آدمی زیادہ ہوں، وہ اللہ عزوجل کو بہت زیادہ محبوب ہے۔''[1]

مسجد کی جانب سکون و وقار سے جانا چاہیے: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے لوگوں کے دوڑ دوڑ کر آنے کی صدائیں سنیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو آپ نے دریافت فرمایا: «مَا شَأْنُكُمْ؟» ''کیا بات تھی؟'' انھوں نے کہا: ہم نماز کے لیے جلدی جلدی آ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَافَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»

''اس طرح مت کیا کرو، جب نماز کے لیے آؤ تو سکون سے آیا کرو، جو پالو پڑھ لو، اور جو رہ جائے اس کی تکمیل کرلو۔''[2]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة، حديث: 554، وسنن النسائي، الإمامة، باب الجماعة إذا كانوا اثنين، حديث: 844، ومسند أحمد: 140/5. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة، »

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»

''جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے چلو، سکون اور وقار کو ملحوظ خاطر رکھو، بھاگتے ہوئے نہ آؤ، جو پاؤ پڑھ لو، اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو۔'' [1]

جب گھر سے نکلے تو کیا پڑھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص (گھر سے نکلتے ہوئے) یہ کلمات کہہ لے: «بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» ''اللہ کے نام کے ساتھ میں نکل رہا ہوں، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی حرکت اور قوت نہیں۔'' تو اس سے کہہ دیا جاتا ہے: تیری کفایت ہوگئی اور تجھے بچا لیا گیا۔ اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔'' [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور آپ کو نماز کی خبر دی، آپ اٹھے، نماز پڑھائی اور آپ کی دعا یہ تھی:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي بَصَرِي نُورًا، وَفِي سَمْعِي نُورًا، وَعَنْ يَمِينِي نُورًا، وَعَنْ يَسَارِي نُورًا، وَفَوْقِي نُورًا، وَتَحْتِي نُورًا، وَأَمَامِي نُورًا، وَخَلْفِي نُورًا، وَعَظِّمْ لِي نُورًا»

''اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میری آنکھ میں نور کر دے، میرے کان میں نور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور میں اضافہ فرما۔'' [3]

حدیث: 635، وصحیح مسلم، المساجد، باب استحباب إتیان الصلاة بوقاروسكينة......حديث: 603، ومسند أحمد: 306/5. [1] صحيح البخاري، الأذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار، حديث: 636، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار و سكينة......، حديث: 602. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذاخرج من بيته، حديث: 5095، وجامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء ما يقول إذا خرج من بيته، حديث: 3426 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763، وسنن أبي داود، التطوع، باب في صلاة الليل، حديث: 1353.

مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی دعا: فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہونے لگتے تو کہتے تھے:

«بِسْمِ اللهِ، وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

”اللہ کے نام سے (داخل ہوتا ہوں) سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“

اور جب نکلنے لگتے تو کہتے تھے:

«بِسْمِ اللهِ، وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ»

”اللہ کے نام سے (میں نکلتا ہوں) سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔“ [1]

تحیّۃ المسجد: ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ»

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔“ [2]

مسجد حرام کا تحیہ: اہل مکہ کے علاوہ کوئی بھی فرد بحالت احرام مسجد حرام میں داخل ہو تو اسے طواف سے ابتدا کرنی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں کیا تھا۔ احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں آئی جو مسجد حرام کو دیگر مساجد کے عام ادب سے ماورا رکھے، جس کا تذکرہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے۔ مسجد حرام کے لیے دیگر مساجد سے الگ کوئی خاص تحیہ نہیں ہے۔ ایک مشہور روایت ہے کہ بیت اللہ کا تحیہ طواف ہے لیکن اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے الضعیفة (1012) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مجھے کوئی ایسی قولی سنت ملی ہے نہ فعلی جو اس مفہوم کی شاہد ہو، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ مسجد حرام بھی

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء مايقول عندخوله المسجد، حديث: 314، وسنن ابن ماجه ، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، حديث: 771 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب:إذا دخل المسجد فليركع ركعتين، حديث: 444، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين، وكراهة الجلوس قبل صلاتهما......، حديث: 714.

رسالت مآب ﷺ کے فرمان عام کے زمرے ہی میں آتی ہے، یعنی مسجد میں بیٹھنے سے پہلے نماز پڑھو۔ یہ کہنا کہ مسجد حرام کا تحیہ طواف ہے، ابھی تک محتاجِ ثبوت ہے اور ثبوت کے بغیر کوئی دعویٰ قابلِ قبول نہیں۔ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ بعض اوقات بالخصوص حج کے ایام میں، مسجد حرام میں آنے والے کے لیے طواف کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ سو بے حد حمد ہو اس اللہ کی جس نے اس معاملے میں وسعت رکھی ہے۔

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ''اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔'' [1]

تاہم آگاہ رہنا چاہیے کہ یہ عام حکم اس آدمی کے لیے ہے جو مُحرِم نہ ہو۔ اگر مُحرِم ہو تو اس کے لیے یہی راہِ عمل ہے کہ طواف سے ابتدا کرے، پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔

خطبۂ جمعہ کے دوران میں مسجد میں آنے والے کے لیے ہدایت: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعے کے دن آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، چنانچہ وہ بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«يَا سُلَيْكُ! قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا، ثُمَّ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»

''اے سلیک! اٹھو دو رکعتیں پڑھو اور مختصر کر کے پڑھو۔'' پھر فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعے کے روز آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ مختصر سی دو رکعتیں پڑھے۔'' [2]

جب کوئی مسجد میں آئے اور نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی ہو: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ»

''جب نماز کھڑی کر دی جائے تو فرضوں کے علاوہ اور کوئی نماز (جائز) نہیں۔'' [3]

امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کی فضیلت: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولٰى كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ»

---

[1] الحج 22:78. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب إذا رأى الإمام رَجُلًا جاء وهو يخطب أمَرَه أن يصلي ركعتين، حديث: 930، وصحيح مسلم، الجمعة، باب التحية والإمام يخطب، حديث: 875 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن في إقامة الصلاة......، حديث: 710.

’’جو شخص اللہ کے لیے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے اس طرح کہ تکبیر اولیٰ پالے، تو اس کے لیے دو براءتیں لکھ دی جاتی ہیں: ایک جہنم سے براءت اور دوسری نفاق سے براءت۔‘‘ [1]

تاخیر سے آنے والا جماعت میں کب شامل ہو؟ پیچھے رہنے والا جماعت میں امام کے ساتھ مل جائے، چاہے امام کسی حالت میں ہو، اور جس رکعت کا رکوع نہ پاسکے اسے شمار نہ کرے، سیدنا علی بن ابی طالب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ»

’’جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ اسی طرح کرے جس طرح امام کر رہا ہے۔‘‘ [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعُدُّوهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

’’جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ، اور اسے کچھ شمار نہ کیا کرو، اور جس نے ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔‘‘ [3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

’’جس نے امام کے ساتھ نماز کی رکعت پالی تو بلاشبہ اس نے نماز پالی۔‘‘ [4]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ آپ قضائے حاجت کے لیے گئے، پھر آپ نے وضو کیا اور لوگوں کی طرف آئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز فجر پڑھا رہے تھے (اور ایک رکعت پڑھا چکے تھے) تو آپ نے لوگوں کے ساتھ مل کر ایک

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في فضل التكبيرة الأولى، حديث: 241، نیز دیکھیے الصحيحة، حديث: 2652. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في الرجل يدرك الإمام وهو ساجد كيف يصنع، حديث: 591، نیز دیکھیے الصحيحة، حديث: 1188. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يدرك الإمام ساجدًا كيف يصنع، حديث: 893 بعد الحديث: 888. [4] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، حديث: 580، و صحيح مسلم، المساجد، باب من ادرك ركعة......، حديث: 607 واللفظ له.

رکعت ادا فرمائی۔ جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہو گئے اور نماز مکمل کی۔ جب آپ نماز مکمل کر چکے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: «قَدْ أَحْسَنْتُمْ وَأَصَبْتُمْ» ''تم نے صحیح عمل کیا اور خوب کیا۔''

آپ ان کے عمل سے خوش ہو رہے تھے کہ انھوں نے بروقت نماز ادا کی ہے۔[1]

(جگہ نہ ہو تو) صف کے پیچھے اکیلے مرد کی نماز جائز ہے: اس مسئلے میں وارد مختلف احادیث میں جمع و تطبیق کی یہی صورت ہے۔[2]

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو صف کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

«اِسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ، فَلَا صَلَاةَ لِرَجُلٍ فَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ»

''اپنی نماز دوبارہ پڑھو، صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔''[3]

جناب وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنی نماز دہرائے۔[4]

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد پہنچے تو آپ رکوع میں تھے، انھوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا، یہ بات آپ کو بتائی گئی تو آپ نے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ» ''اللہ تیری حرص اور زیادہ کرے، پھر ایسا نہ کرنا۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الرجل يوضِّئ صاحبه، حديث: 182، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام......، حديث: 274 بعد الحديث: 421، ومسند أحمد: 249/4 واللفظ له. [2] اگر اگلی صف میں جگہ ہے اور اس کے باوجود مرد نمازی صف کے پیچھے اکیلے کھڑا ہو تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے إرواء الغليل: 329/2، حديث: 541 علاوہ ازیں سنن الدارمي: 211/1، حديث: 1285 میں حسن سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو نماز لوٹانے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ «وَلَمْ يَتَّصِلْ بِالصُّفُوفِ» ''وہ اگلی صف میں شامل نہیں ہوا تھا۔'' (عبدالولی) [3] [حسن] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، حديث: 1003، ومسند أحمد: 23/4 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يصلي وحده خلف الصف، حديث: 682، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة خلف الصف وحده، حديث: 230، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، حديث: 1004. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا ركع دون الصف، حديث: 783، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يركع دون الصف، حديث: 683. اس حدیث سے مذکورہ مسئلہ ثابت کرنا درست نہیں، اس لیے کہ اس شخص نے نماز میں شامل ہونے اور صف میں ملنے کے لیے ایسا کیا تھا، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے منع بھی فرمایا ہے۔ لہٰذا اس سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں، دیکھیے: الموسوعة الفقهية: 243/2. (عبدالولی)

نماز ہلکی پڑھانے کا حکم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ بلاشبہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور جب اپنی نماز پڑھے تو جس قدر جی چاہے لمبی کر لے۔''[1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي، مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ»

''میں نماز شروع کرتا ہوں اور لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا ہے، مگر کسی بچے کا رونا سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کس قدر پریشانی ہوتی ہے۔''[2]

انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ مختصر مگر مکمل نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے علاوہ کسی امام کے پیچھے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جو ہلکی بھی ہو اور مکمل بھی۔[3]

امام پہلی رکعت لمبی پڑھائے: ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کی اقامت ہو جاتی تھی اور کوئی جانے والا بقیع کی طرف جاتا، قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو کرتا اور واپس آتا تو رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت کو لمبا کرنے کی وجہ سے ابھی پہلی ہی رکعت میں ہوتے تھے۔[4]

امام کی پیروی: امام کی متابعت کرنا، یعنی اس کے پیچھے پیچھے رہنا واجب ہے، اس سے آگے بڑھنا منع ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، حديث: 703، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 467، سنن أبي داود، الصلاة، باب تخفيف الصلاة، حديث: 794 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبيّ، حديث: 709، و صحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 470. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الإيجاز في الصلاة وإكمالها، حديث: 708,706، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 469. [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، حديث: 454، وسنن النسائي، الافتتاح، باب تطويل القيام في الركعة الأولى من صلاة الظهر، حديث: 974.

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ» «وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ»

''امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے، پھر تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے، پھر تم «اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ» کہو۔ جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب لوگ بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ اور نماز کے دوران میں صف سیدھی رکھو، بلاشبہ صف سیدھی رکھنا نماز کی خوبصورتی ہے۔''[1]

* میری رائے کے مطابق آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ حکم ''امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔'' منسوخ ہے اور اس کی تنسیخ درج ذیل حدیث سے ثابت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی بیماری کے دنوں میں لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ وہی پڑھاتے رہے۔

جناب عروہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو باہر تشریف لے آئے جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کرا رہے تھے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ فرمایا کہ رکے رہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلو میں بیٹھ گئے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کرنے لگے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتدا کرتے رہے۔[2]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي إِمَامُكُمْ، فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ، وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْقُعُودِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ»

''اے لوگو! میں تمھارا امام ہوں۔ رکوع کرنے، سجدے میں جانے، قیام کرنے، بیٹھنے یا سلام پھیرنے میں

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 722، وصحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، حديث: 414 واللفظ له، ومسند أحمد: 230/2. البتہ قوسین والے آخری الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من قام إلى جنب الإمام لعلة، حديث: 683، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام۔ إذا عرض لهٗ عذر من مرض وسفر وغيرها۔ من يصلي بالناس......، حديث: 418.

مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔"[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ»

"جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ مبادا اللہ اس کا سر گدھے کا سر بنا دے۔"[2]

امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً، فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلٰى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

"قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو ان سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا قاری ہو، اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو وہ جو سنت کا سب سے بڑھ کر عالم ہو۔ اگر وہ سنت کے علم میں برابر ہوں تو وہ جو ہجرت کرنے میں ان سب سے قدیم ہو۔ اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو وہ جو اسلام قبول کرنے میں قدیم ہو۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے حلقۂ اقتدار میں ہرگز اس کی امامت نہ کرائے اور نہ اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر بیٹھے۔"

الأشج کی روایت میں "اسلام" کی بجائے "عمر" کا ذکر ہے۔[3]

---

[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أوسجود ونحوهما، حديث: 426، ومسند أحمد: 102/3 واللفظ له. [2] صحیح البخاري، الأذان، باب إثم مَن رفع رأسه قبل الإمام، حديث: 691، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أوسجود ونحوهما، حديث: 427واللفظ له. درج بالا حدیثوں سے «إِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا» والی حدیث کو منسوخ کہنا درست نہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے پڑھ سکتے ہیں، تاہم بیٹھنا بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمہور اصولیین کے نزدیک فعل سے قول کی تنسیخ نہیں ہوسکتی، علاوہ ازیں تنسیخ کا حکم لگانے سے پہلے جمع وتطبیق کا درجہ ہے۔ (عبدالولی) [3] صحیح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة؟ حديث: 673، ومسند أحمد: 118/4.

بچے کا امامت کرانا: جناب عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں تیزی دکھائی، چنانچہ میرے والد نے بھی اپنی قوم کے ساتھ جلدی کی۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے تو کہا کہ میں ایک سچے نبی کے پاس سے تمھاری طرف آیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا ہے: فلاں نماز فلاں وقت پر اور فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھا کرو، سو جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے، اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو، وہ تمھاری امامت کرائے۔

چنانچہ انھوں نے دیکھا تو مجھ سے بڑھ کر کسی کو قرآن پڑھنا نہ آتا تھا، کیونکہ میں قافلوں کے لوگوں سے (قرآن) سیکھتا رہتا تھا۔ پس انھوں نے مجھے آگے کر دیا جبکہ میری عمر چھ یا سات سال تھی اور میں نے ایک چھوٹی سی اونی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ میں جب سجدہ کرتا تو وہ سکڑ جاتی تھی۔ قبیلے کی ایک عورت بول اٹھی: کیا تم ہم سے اپنے قاری کی دبر نہیں چھپا سکتے؟ چنانچہ انھوں نے کپڑا خریدا اور مجھے ایک قمیص بنوا دی، مجھے یہ قمیص ملنے کی جو خوشی ہوئی، اس جیسی خوشی کسی اور چیز کے ملنے پر نہیں ہوئی۔[1]

نابینے کی امامت: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں دو بار اپنی نیابت مرحمت فرمائی جبکہ وہ نابینے تھے۔[2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب (مکے سے) ابتدائی مہاجرین آئے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تشریف نہ لائے تھے، تو ان لوگوں نے قباء کے قریب عُصبہ مقام پر پڑاؤ کیا۔ اس وقت جناب سالم رضی اللہ عنہ جو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، ان لوگوں کی امامت کرایا کرتے تھے، اور یہ ان لوگوں میں سب سے بڑھ کر قرآن کے حافظ تھے، جبکہ ان میں عمر بن خطاب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔[3]

عورتوں کی امامت مرد ہی کرائے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ان کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا جو انھوں نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ آپ نے ان کی ضیافت کا کھانا تناول فرمایا، پھر کہا: «قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ لَكُمْ» ”اٹھو تا کہ میں تمھیں نماز پڑھاؤں۔“

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک چٹائی لے آیا جو زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس پر کھڑے ہو گئے، میں اور ایک یتیم نے آپ کے پیچھے اور میری بوڑھی نانی نے

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: 54، حديث: 4302، وسنن أبي داود، الصلاة، باب من أحق بالإمامة؟ حديث: 585. [2] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب إمامة الأعمٰى، حديث: 595، و مسند أحمد: 192/3. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب إمامة العبد والمولى، حديث: 692، وسنن أبي داود، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، حديث: 588.

ہمارے پیچھے صف بنائی۔ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ تشریف لے گئے۔ [1]

اس روایت میں جس یتیم کا ذکر آیا ہے، وہ ضمیر بن سعد حمیری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور بڑھیا سے مراد انس رضی اللہ عنہ کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ [2]

نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنا صحیح ہے: امام اگر نفل پڑھ رہا ہو تو فرض پڑھنے والے کو اس کی اقتدا کرنا درست ہے اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتدا بھی صحیح ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، پھر اپنی قوم میں واپس جا کر انھیں وہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ [3]

نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے نفل پڑھنے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے، یعنی آپ نے رات کو نماز شروع کی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آپ کے ساتھ نماز شروع کر دی۔ [4] ایسے ہی انس، یتیم اور بڑھیا کو آپ نے نماز پڑھائی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی مثالیں ہیں اور یہ سب صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

جناب یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ یزید ان دنوں نوجوان تھے، جب آپ نماز پڑھ چکے تو مسجد میں ایک طرف دو آدمیوں کو دیکھا جنھوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے انھیں بلوایا۔ انھیں لایا گیا تو ان کے پٹھے لرز رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟ قَالَا: قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا، فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوا، إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فِي رَحْلِهِ ثُمَّ أَدْرَكَ الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ فَلْيُصَلِّ مَعَهُ فَإِنَّهَا لَهُ نَافِلَةٌ»

”تمھیں کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا ہے؟“ انھوں نے کہا کہ ہم نے نماز اپنے پڑاؤ پر پڑھ لی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس طرح مت کیا کرو، جب تم میں سے کوئی اپنی منزل میں نماز پڑھ چکا ہو، پھر امام کو پائے کہ اس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تو اس کے ساتھ مل کر پھر نماز پڑھ لے، یہ نماز اس کے لیے نفل ہو جائے گی۔“ [5]

---

[1] صحیح البخاري، الأذان، باب وضوء الصبيان، ومتى يجب عليهم الغسل والطهور وحضورهم الجماعة والعيدين والجنائز، وصفوفهم، حديث: 860و380. وصحيح مسلم، المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة، والصلاة على حصير و خمرة......، حديث: 658. [2] تفصیل کے لیے دیکھیے :منة المنعم شرح صحيح مسلم، حدیث: 658 کے تحت (عبدالولی)
[3] صحيح البخاري، الأذان، باب: إذا صلى ثم أم قومًا، حديث: 711، وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في العشاء، حديث: 465. [4] صحيح البخارى، الوضوء، باب التخفيف في الوضوء، حديث: 138. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب فيمن صلى في منزله ثم أدرك الجماعة يصلي معهم، حديث: 575، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ««

جو ایسے لوگوں کا امام بنے جو اسے ناپسند کرتے ہوں: جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«ثَلَاثَةٌ لَّا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُمْ صَلَاةً: مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَّهُمْ لَهُ كَارِهُونَ......»

''تین قسم کے لوگوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا (اور ان میں سے) ایک وہ ہے جو قوم (نمازیوں) کے آگے ہو جائے، جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں......'' [1]

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَّا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمْ: اَلْعَبْدُ الْآبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَإِمَامُ قَوْمٍ وَّهُمْ لَهُ كَارِهُونَ»

''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی: بھاگا ہوا غلام حتی کہ لوٹ آئے، ایسی عورت جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس پر غصے ہو اور کسی قوم کا امام، جسے اس قوم کے لوگ ناپسند کرتے ہوں۔'' [2]

صفوں کو بالکل سیدھا اور درست کرنا، خوب جڑ کر کھڑے ہونا اور صفوں میں درمیانی خلا پُر کرنا واجب ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ»

''اپنی صفیں برابر رکھا کرو، بلاشبہ صفیں برابر رکھنا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے۔'' [3]

جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام تکبیر کہنے سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا کرتے تھے:

«تَرَاصُّوا وَاعْتَدِلُوا» ''خوب مل جاؤ، برابر ہو جاؤ۔'' [4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، حديث: 593. [2] [حسن] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في من أم قومًا وهم له كارهون، حديث: 360، امام ترمذی نے اس کے بارے میں فرمایا: هٰذا حديث حسن غريب، جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الترغیب (حدیث: 486) میں حسن کہا ہے۔ [3] صحيح البخاري، الأذان، باب: إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 723، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 433 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب إقبال الإمام على النّاس عند تسوية الصفوف، حديث: 719، و مسند أحمد: 125/3 واللفظ له.

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں اس قدر سیدھی کرایا کرتے تھے گویا اس کے ذریعے سے تیر سیدھا کیا جائے گا، حتی کہ آپ جان گئے کہ ہم نے آپ سے یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لی ہے۔ پھر ایک دن آپ تشریف لائے اور امامت کے لیے کھڑے ہوئے، تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا تھا، آپ نے فرمایا:

«عِبَادَ اللهِ! لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ»

"اے اللہ کے بندو! تم اپنی صفیں سیدھی کرلو، ورنہ اللہ تمھارے چہروں میں اختلاف ڈال دے گا (تم ایک دوسرے سے منہ پھیر لو گے۔)" [1]

صف سیدھی کرنے کا طریقہ: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي»

"اپنی صفیں درست رکھا کرو، بلاشبہ میں تمھیں اپنی پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔"

چنانچہ ہم میں سے ہر آدمی اپنا کندھا دوسرے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنا پاؤں اپنے ساتھی کے پاؤں کے ساتھ جوڑ کر کھڑا ہوتا تھا۔ [2]

نماز میں مردوں کی پہلی صف اور عورتوں کی آخری صف افضل ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»

"مردوں کی صفوں میں بہترین صف پہلی صف ہے، اور کمتر درجے والی آخری صف ہے جبکہ عورتوں کی صفوں میں بہترین صف آخری صف ہے اور کمتر درجے والی پہلی صف ہے۔" [3]

پہلی صفوں اور ان کے داہنی اطراف کی فضیلت: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 436، ومسند أحمد: 276/4. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب، والقدم بالقدم في الصف، حديث: 725. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 440، وسنن أبي داود، الصلاة، باب صف النساء والتأخر عن الصف الأول، حديث: 678.

ہماری صفوں میں ایک جانب سے دوسری جانب چلتے اور ہمارے سینوں اور کندھوں کو چھوتے جاتے اور فرماتے تھے: «لَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ»

”صف میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمھارے دلوں میں اختلاف (پیدا) ہو جائے گا۔“

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصُّفُوفِ الْأُوَلِ»

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ پہلی صفوں والوں پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے ان لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔“[1]

براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم پسند کرتے تھے کہ آپ کی داہنی جانب کھڑے ہوں۔ آپ اپنا رخ زیبا ہماری طرف کرتے تھے۔ تو ایک دن میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: «رَبِّ! قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ»

”اے میرے رب! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچائے رکھنا۔“ یا تَبْعَثُ کی جگہ آپ نے تَجْمَعُ (تو جمع کرے گا) کا لفظ بولا۔[2]

عقل مند اور سمجھ دار لوگ ہی صف اول کے حق دار ہیں: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے ہمارے کندھے چھوا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

«اِسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا؛ فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، وَلْيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»

”برابر ہو جاؤ، اختلاف نہ کرو ورنہ تمھارے دلوں میں اختلاف آ جائے گا، چاہیے کہ تمھارے عقل مند اور سمجھ دار لوگ میرے قریب ہو کر کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں، اور ان کے بعد وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں۔“[3]

مقتدیوں کا ستونوں کے درمیان صفیں بنا لینا مکروہ ہے: جناب عبدالحمید بن محمود نے بیان کیا کہ ایک بار

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، حديث: 664. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب يمين الإمام، حديث: 709. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 432، ومسند أحمد: 122/4. اس حدیث میں عقل مند اور بڑی عمر کے لوگوں کو حکم ہے کہ وہ پہلے پہلے آ کر امام کے قریب پہلی صف میں کھڑے ہوں، واللہ أعلم. (عبدالولی)

ہم نے اپنے ایک حاکم کے پیچھے نماز پڑھی تو لوگوں نے ہمیں مجبور کر دیا، چنانچہ ہمیں دو ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پڑی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہم اس حالت سے بچا کرتے تھے۔ [1]

اکیلا آدمی ستونوں کے درمیان نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اسامہ بن زید اور بلال رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جناب عثمان بن طلحہ الحجبی رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے کعبے کا دروازہ (اندر سے) بند کیے رکھا، آپ کچھ دیر اندر رہے۔ جب باہر تشریف لائے تو میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر کیا عمل کیا؟ انھوں نے بتایا کہ آپ نے ایک ستون اپنی داہنی جانب کیا اور دوسرا بائیں جانب، اور تین ستون اپنے پیچھے، پھر نماز پڑھی۔ بیت اللہ ان دنوں چھ ستونوں پر تھا۔ [2]

وہ عذر جن کی بنا پر مسجد میں جماعت کی نماز چھوڑی جا سکتی ہے: (1) سخت سردی اور بارش: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو حکم دیتے، اور وہ اذان میں کہتا: «صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ» ''اپنے اپنے پڑاؤ (منزل یا گھروں) میں نماز پڑھ لو۔'' ایسا عمل سفر کے دوران میں ہوتا تھا جب رات بہت زیادہ ٹھنڈی ہوتی یا رات کو بارش ہو رہی ہوتی تھی۔ [3]

(2) جب کھانا حاضر ہو: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ»

''جب تم میں سے کوئی کھانے پر ہو (کھانے میں مشغول ہو) تو جلدی نہ کرے حتی کہ کھانا کھا لے، چاہے نماز کھڑی ہو چکی ہو۔'' [4]

(3) جب بول و براز کی حاجت ہو: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الصفوف بين السواري، حديث: 673، ومسند أحمد: 131/3. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة بين السواري في غير جَمَاعَةٍ، حديث: 505، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، والصلاة فيها، والدعاء في نواحيها كلها، حديث: 1329. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والإقامة، وكذلك بعرفة وجمع، حديث: 632، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الصلاة في الرحال في المطر، حديث: 697 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب: إذا حضر الطعام و أُقيمت الصَّلاةُ، حديث: 674.

«لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ»

''کھانا حاضر ہو تو نماز نہیں اور اس وقت بھی نہیں جب وہ دو نجاستوں کو روکے ہوئے ہو، یعنی پیشاب یا پاخانہ۔''[1]

جنائز کا بیان

مریض کو اپنے رب کریم سے حسن ظن رکھنا چاہیے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللهِ الظَّنَّ»

''تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اپنے اللہ کے ساتھ بہترین گمان رکھے ہوئے ہو۔''[2]

ہر مسلمان بالخصوص مریض کو چاہیے کہ اللہ سے توبہ کرتا رہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اور اے مومنو! تم سارے کے سارے اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[3]

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ط عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو، قریب ہے کہ تمھارا رب تم سے تمھارے گناہ مٹا دے۔''[4]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتٰى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَّاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ»

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال وكراهة الصلاة مع مدافعة الحدث ونحوه، حديث: 560، وسنن أبي داود، الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ حديث: 89. [2] صحيح مسلم، الفتن، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالىٰ عند الموت، حديث: 2877. [3] النور 24:31. [4] التحريم 66:8.

"جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے، تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے بے انتہا خوش ہوتا ہے حتی کہ اس آدمی سے بھی بڑھ کر جو اپنی سواری پر کسی جنگل بیابان میں گیا ہو، جہاں اس کی سواری گم ہو جائے، اور اس کا کھانا اور پانی بھی اس پر ہو، پھر وہ سواری (کی بازیابی) سے مایوس ہو جائے، کسی درخت کے پاس آ کر اس کے سائے تلے لیٹ جائے جبکہ وہ اپنی سواری کے ملنے سے بالکل مایوس ہو چکا ہو۔ وہ اسی پریشانی کی حالت میں ہو کہ اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑا پائے، اس کی باگ تھام لے اور خوشی کے مارے یوں کہہ دے: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، یعنی بے انتہا خوشی کی وجہ سے اس کی زبان غلطی کر جائے۔"[1]

مریض پر جو حقوق عائد ہیں ان تمام سے بری الذمہ ہو جائے اور اپنی وصیت لکھ لے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»

"جو مسلمان کسی چیز کے متعلق وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے روا نہیں کہ وہ دو راتیں بھی یوں گزارے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔"[2]

مریض کی عیادت کرنا سنت ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ»

"کسی مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازوں میں شرکت کرنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو (الحمد للہ کہنے پر) جواب دینا۔"[3]

قریب المرگ کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرنا سنت ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب التوبة، حديث :6309، وصحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث :2747 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، حديث :2738، وصحيح مسلم، الوصية، باب: وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: 1627 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث :1240، وصحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حديث :2162.

”اپنے قریب الموت آدمیوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کیا کرو۔“ [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کے متعلق محسوس ہو کہ اس کی موت قریب ہے تو اسے کلمۂ توحید یاد دلاؤ، یعنی اس کے پاس کلمۂ توحید پڑھ کر اسے کلمۂ توحید کی تلقین کرو۔

جب موت واقع ہو جائے تو مرنے والے کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور اس کے لیے دعا کی جائے:

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (میرے سابق شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت ابوسلمہ کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں، آپ نے اس کی آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا:

«إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ». فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِهِ فَقَالَ: «لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ». ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ! وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ»

”جب روح قبض کی جاتی ہے تو نظر بھی اس کے پیچھے جاتی ہے۔“ گھر کے لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے فرمایا: ”اپنے متعلق خیر ہی کی دعا کرو، بلاشبہ جو کچھ تم بولتے ہو، اس پر فرشتے آمین پکارتے ہیں۔“ پھر فرمایا: ”اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما، ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کے درجات بلند کر دے، اور اس کے پیچھے رہنے والوں میں تو ہی اس کا خلیفہ بن، اور اے رب العلمین! ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اور اس کی قبر کو فراخ اور منور کر دے۔“ [2]

میت کا سارا جسم کپڑے سے ڈھانپنا سنت ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، آپ کو ”حبرہ“ یعنی ایک دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ [3]

حِبَرَةٌ اونی کپڑوں کی ایک خاص قسم کا نام ہے جو یمن میں بنتا تھا۔

تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کی جائے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً، فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ تَكُ غَيْرَ ذٰلِكَ، فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِّقَابِكُمْ»

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب تلقين الموتى: لا إله إلا الله، حديث: 916. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب في إغماض الميت والدعاء له، إذا حضر، حديث: 920. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، حديث: 1242,1241، وصحيح مسلم، الجنائز، باب تسجية الميت، حديث: 942.

”جنازے کے لیے جلدی کرو، اگر وہ نیک ہے تو تم اسے خیر اور بھلائی کے سپرد کرتے ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو وہ ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔“ [1]

میت کا قرض ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ، حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ»

”مسلمان کی جان اس کے قرض کے ساتھ اٹکی رہتی ہے، حتی کہ اسے اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔“ [2]

میت کا چہرہ دیکھنا اور اسے بوسہ دینا جائز ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جناب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ ان کی وفات ہو چکی تھی، حتی کہ میں نے آپ کے آنسو بہتے دیکھے۔ [3]

میت کے عزیز و اقارب پر لازم ہے کہ صبر کا دامن تھامیں: اللہ کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کریں اور ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾

”اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔“ [4]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے، وہ ایک قبر کے پاس

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب السرعة لجنازة، حديث: 1315، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، حديث: 944 واللفظ له. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه، حديث: 1079،1078، وسنن ابن ماجه، الصدقات، باب التشديد في الدين، حديث: 2413. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في تقبيل الميت، حديث: 3163، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في تقبيل الميت، حديث: 989. [4] البقرة 2:155-157.

بیٹھی رو رہی تھی، آپ نے اس سے فرمایا: ''اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور صبر کر۔'' وہ بولی: چلے جاؤ، تم پر مجھ جیسی مصیبت نہیں پڑی۔ دراصل وہ آپ کو پہچان نہیں سکی۔ اسے بتایا گیا کہ یہ تو نبی ﷺ تھے، تو وہ آپ کے دروازے پر آئی، وہاں کوئی دربان نہ پایا۔ اس نے آپ سے کہا کہ میں آپ کو پہچان نہ پائی تھی۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى» ''صبر تو صدمے کی ابتدا ہی میں ہوتا ہے۔''[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے (ایک بار) رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ سے تعلق و استفادہ میں مرد حضرات ہم سے آگے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں بھی کوئی دن دیجیے، تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرما لیا۔ آپ ان سے ملے اور وعظ کیا، اس میں آپ نے ان سے فرمایا:

«مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِّنْ وَّلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ» فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: «وَاثْنَيْنِ»

''تم میں سے جس عورت کے تین بچے (نابالغی میں) فوت ہو جائیں تو وہ اس کے لیے آگ سے اوٹ بن جائیں گے۔'' ایک عورت نے کہا: اور اگر دو ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ''دو بھی۔''[2]

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللهُ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ! أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا - إِلَّا أَخْلَفَ اللهُ لَهُ خَيْرًا مِّنْهَا»

''جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچے، اور وہ وہی کہے جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ (یعنی) ''ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت کا اجر و ثواب عنایت فرما، اور اس جانے والی چیز کا نعم البدل عنایت فرما'' تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدل عنایت فرما دیتا ہے۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو میں نے (جی میں) کہا: مسلمانوں میں ابوسلمہ سے بڑھ کر بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ تو اولین گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی ہے۔ بہرحال پھر بھی میں نے یہ کلمات کہہ لیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے (ابوسلمہ کے بہترین نعم البدل) رسول اللہ ﷺ عنایت فرما دیے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب زيارة القبور، حديث: 1283. [2] صحيح البخاري، العلم، باب هل يجعل للنساء يوما على حدة في العلم، حديث: 101، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، حديث: 2633.

[3] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند المصيبة، حديث: 918.

میت کے اقارب کے لیے درج ذیل افعال حرام ہیں: (1) بین اور نوحہ کرنا: ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ». وَقَالَ: «اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ»

"میری امت میں جاہلیت والے چار کام ہوں گے جنھیں لوگ نہیں چھوڑیں گے: خاندانی شرافت پر فخر کرنا، نسب میں عیب لگانا، ستاروں کے حساب سے بارش طلب کرنا اور میت پر بین اور نوحہ کرنا۔" اور فرمایا: "میت پر رونے والی نے اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو اسے ایسی حالت میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر گندھک کی قمیص اور خارش کا کرتہ ہوگا۔" [1]

(2) منہ پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، أَوْ شَقَّ الْجُيُوبَ، أَوْ دَعَا بِدَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ»

"وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے رخسار پیٹے، دامن پھاڑے یا اہل جاہلیت کی پکار پکارے۔" [2]

(3) بال منڈوا دینا: جناب ابو بردہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو سخت درد ہوا حتی کہ ان پر غشی طاری ہوگئی، جبکہ ان کا سر ان کے گھر کی کسی عورت کی گود میں تھا، اس صورتحال پر گھر کی عورتوں میں سے کوئی عورت چیخنے لگی، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمت نہ ہوسکی کہ اسے منع کریں۔ بعد میں جب انھیں افاقہ ہوا تو کہا: میں بری ہوں اس سے جس سے رسول اللہ ﷺ بری ہیں۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ بری ہیں اس عورت سے جو بین کرے، اپنے بال منڈوائے اور اپنے کپڑے پھاڑے۔ [3]

(4) بال بکھیرنا (بالوں کو پراگندہ کرنا): رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والی ایک خاتون سے روایت ہے کہ نیکی کے وہ کام جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم ان میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، وہ یہ تھے کہ ہم چہرہ نہ نوچیں گی، ہائے وائے نہیں کریں گی (ہائے میری ہلاکت)، گریبان نہیں پھاڑیں

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 934. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، حديث: 1297، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية، حديث: 103. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماينهى من الحلق عند المصيبة، حديث: 1296، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية، حديث: 104.

گی اور نہ بال بکھیریں گی۔[1]

فوت شدہ مسلمان کو غسل دینا زندہ لوگوں پر واجب ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنے اونٹ سے گر گیا، اس کی گردن ٹوٹ گئی جبکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا:

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُمِسُّوهُ طِيبًا وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»

''اسے بیری کے پتے ملے پانی سے غسل دو، دو کپڑوں میں کفن دو، خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانپنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اٹھائے گا تو یہ لبیک پکار رہا ہوگا۔''[2]

بہتر ہے کہ شوہر متوفیہ بیوی کو یا بیوی متوفی شوہر کو غسل دے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کی طرف سے واپس آئے تو آپ نے مجھے اس حال میں پایا کہ میرے سر میں درد تھا اور میں کہہ رہی تھی کہ ہائے میرا سر! تو آپ نے فرمایا:

«بَلْ أَنَا، يَاعَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ!» ثُمَّ قَالَ: «مَا ضَرَّكِ لَوْ مِتِّ قَبْلِي فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ»

''بلکہ میں ہوں اے عائشہ کہ کہوں، ہائے میرا سر۔'' پھر فرمایا: ''اگر تو مجھ سے پہلے مر گئی تو تیرا کیا نقصان ہے میں تیرا اہتمام کروں گا۔ میں تجھے غسل دوں گا، کفن دوں گا، تیرا جنازہ پڑھوں گا اور دفن کروں گا۔''[3]

بیری کے پتے ملے پانی کے ساتھ تین یا پانچ یا اس سے زیادہ بار غسل دیا جائے اور آخر میں کافور لگایا جائے: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''اسے تین یا پانچ بار غسل دو، یا اگر تمھیں ضرورت محسوس ہو تو زیادہ بار بھی، ایسے پانی کے ساتھ جس میں بیری کے پتے ملے ہوں اور آخر میں کچھ کافور بھی لگانا۔ جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کرنا۔'' چنانچہ ہم فارغ ہو گئے اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے ہمیں اپنی نیچے والی چادر دی اور

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في النوح، حديث:3131، والسنن الكبرى للبيهقي:4/64. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب كيف يكفن المحرم؟ حديث: 1267، وصحيح مسلم، الحج، باب مايفعل بالمحرم إذامات؟ حديث: 1206. [3] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل الرجل امرأته وغسل المرأة زوجها، حديث: 1465، وسنن الدار قطني:2/74.

فرمایا: ''اسے اس کے جسم کے ساتھ لپیٹ دو۔'' اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہم نے اس کے بالوں کو کنگھی کی اور تین لٹیں بنا دیں۔ [1]

غسل دینے کے لیے قرابت دار زیادہ بہتر ہیں: مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے بالخصوص جب وہ غسل کے آداب سے بخوبی آگاہ ہو، حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا، اور میں دیکھنے لگا کہ میت کے ساتھ جو (آلائش) ہوتی ہے (وہ دکھائی دے تو دھو ڈالوں) مگر مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنی زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور مرنے کے بعد بھی! [2]

غسل میں داہنے اطراف پہلے دھونے چاہئیں: ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو غسل دینے کی ہدایات دیتے ہوئے ہمیں فرمایا: «اِبْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا» ''اس کے داہنی اطراف سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو۔'' [3]

شہید کو غسل نہ دیا جائے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شہدائے احد میں سے دو شہیدوں کو ایک ایک کپڑے میں یکجا کرتے تھے اور پوچھتے تھے: ''ان میں سے قرآن کا زیادہ حافظ کون ہے؟'' جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں آگے رکھتے اور فرماتے: ''میں ان کے لیے گواہ رہوں گا۔'' آپ نے انھیں ان کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا، ان کا جنازہ پڑھا نہ انھیں غسل دیا۔ [4]

ضروری وضاحت: امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ایسے شہداء جو کفار سے لڑائی کے علاوہ کسی اور صورت میں وفات پا جائیں، مثلاً: پیٹ کی تکلیف میں، یا طاعون زدہ ہو کر یا کسی دیوار کے نیچے دب کر یا دردزہ میں مرنے والی عورت تو ایسے تمام افراد کو غسل دیا جائے گا اور جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ [5] اسی طرح المہدی نے بھی ان کے غسل پر اجماع لکھا ہے۔ [6]

میت کو ایسا کفن دینا واجب ہے جو اسے ڈھانپ لے، چاہے اس کے علاوہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور اپنے صحابہ میں سے

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر، حديث: 1253، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في غسل الميت، حديث: 939. [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل النبيﷺ، حديث: 1467، والمستدرك للحاكم: 362/1 اور کہا: «صحيح على شرط الشيخين» علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس کی سند متصل معروف ہے۔
[3] صحيح البخاري، باب التيمن في الوضوء والغسل، حديث: 167. [4] صحيح البخاري، الجنائز، باب من يقدم في اللحد، حديث: 1347. [5] المجموع: 224/5. [6] البحر: 96/1.

ایک صحابی کا ذکر کیا جو فوت ہو گیا تھا، مگر اسے معمولی کفن دے کر راتوں رات ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اس بات پر ڈانٹا اور خبردار کیا کہ کسی کو رات کے وقت دفن نہ کیا جائے حتی کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری ہو، آپ نے یہ بھی فرمایا: «إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ»
''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو چاہیے کہ اچھا کفن دے۔'' [1]

جناب خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، چنانچہ ہمارا اجر اللہ کے ہاں ہے۔ تاہم ہم میں سے کچھ وہ ہیں جو فوت ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے اجر میں سے کچھ نہیں کھایا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ انھی میں سے ہیں۔ اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کا پھل تیار ہو گیا اور وہ اسے توڑ رہے ہیں۔ جناب مصعب رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید ہو گئے تو ہمیں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس میں انھیں کفن دیں، سوائے ان کی اپنی اونی چادر کے، جب ہم اس سے ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے، پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر اِذْخِر گھاس ڈال دو۔ [2]

کفن کو قیمتی بنائے بغیر اس میں کوئی چیز بڑھائی جائے تو کوئی حرج نہیں: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں (اپنے والد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئی تو انھوں نے پوچھا: تم نے نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ میں نے کہا: تین سوتی کپڑوں میں، ان میں کوئی قمیص یا پگڑی نہیں تھی۔ پھر پوچھا: رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کس روز ہوئی تھی؟ میں نے کہا: سوموار کے دن۔ بولے کہ آج کون سا دن ہے؟ میں نے کہا: سوموار ہے۔ کہنے لگے: میں (بھی) امید کرتا ہوں کہ رات تک (میرا معاملہ تمام ہو جائے گا)، پھر انھوں نے اپنے کپڑے پر نظر ڈالی، جسے بیماری کے دنوں میں انھوں نے اوڑھے رکھا تھا۔ اس پر زعفران کے کچھ دھبے بھی تھے۔ فرمایا: میرا یہ کپڑا دھو دو، دو کپڑے اور ملا لینا اور مجھے انھی میں کفن دے دینا۔ میں نے عرض کیا: یہ تو پرانا ہے۔ فرمایا: زندہ آدمی (نئے کپڑے کا) میت کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے، یہ تو بس مہلت کے لیے ہے۔ منگل کی رات آنے تک آپ وفات پا گئے اور صبح ہونے سے پہلے دفن کر دیے گئے۔ [3]

سفید کفن ہو تو بہتر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ»

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب في تحسين كفن الميت، حديث: 943. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب إذالم يجد كفناإلامايواري رأسه أوقدميه غطى به رأسه، حديث: 1276، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في كفن الميت ، حديث: 940. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب موت يوم الاثنين، حديث: 1387.

''سفید کپڑے پہنا کرو، بلاشبہ یہ تمھارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہیں اور انھی میں اپنی میتوں کو کفن دیا کرو۔'' [1]

شہید اپنے اسی لباس میں کفن دیا جائے جس میں وہ شہید ہوا ہو: اس کی دلیل جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو قبل ازیں ''شہید کو غسل نہ دیا جائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔ [2]

میت کا جنازہ پڑھنا واجب ہے: مسلمان کی میت کا جنازہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے عمل سے ثابت اور معروف ہے، تاہم یہ فرض کفایہ ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی میتوں کے جنازے پڑھتے تھے اور بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں دیتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی عورت یا مرد مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کی خبر نہیں دی گئی۔ آپ نے ایک دن اس کا تذکرہ کیا اور پوچھا: ''فلاں کا کیا ہوا؟'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ فوت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' انھوں نے کہا: اس کا قصہ تو ایسا ویسا ہی تھا، یعنی اس کے معاملے کو ان لوگوں نے حقیر جانا تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کی قبر بتاؤ۔'' چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ [3]

بچے یا شہید کی نماز جنازہ واجب نہیں: بچے کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ابراہیم فوت ہو گیا جبکہ اس کی عمر اٹھارہ ماہ تھی، تو آپ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ [4]

اور شہید کے بارے میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث ہے جو قبل ازیں ''شہید کو غسل نہ دیا جائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔

بچے اور شہید کے جنازے کا عدم وجوب اس کے جواز کے منافی نہیں ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطب، باب في الكحل، حديث: 3878، وسنن ابن ماجه، اللباس، باب البياض من الثياب، حديث: 3566. [2] اسی طرح مسند احمد: 431/5 میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا: «زَمِّلُوهُمْ فِي ثِيَابِهِمْ» ''انھیں ان کے کپڑوں میں لپیٹ دو۔'' [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد مايدفن، حديث: 1337، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث: 956. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الصلاة على الطفل، حديث: 3187، ومسند أحمد: 267/6 حافظ ابن حجر الإصابة میں کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ اور ابن حزم (المحلّٰى: 158/5 میں) کہتے ہیں کہ یہ خبر صحیح ہے۔ نیز ملاحظہ ہو أحكام الجنائز للألباني، ص: 104.

کرتی ہیں کہ انصاریوں کا ایک بچہ فوت ہو گیا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: مبارک ہو اسے، یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، اس نے کوئی برائی کی نہ برائی کی عمر کو پہنچا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ غَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ؟ خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْجَنَّةَ وَخَلَقَ لَهَا أَهْلًا، وَخَلَقَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ النَّارَ وَخَلَقَ لَهَا أَهْلًا، وَخَلَقَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ»

''معاملہ اس کے علاوہ ہے۔ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی ہے، اس کے لیے لوگ بھی پیدا کیے ہیں، انھیں پیدا کیا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں تھے۔ آگ پیدا کی اور اس کے لیے لوگ بھی پیدا کیے ہیں، انھیں پیدا کیا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں تھے۔'' [1]

شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدّو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ پر ایمان لایا، آپ کا متبع ہوا، اور کہنے لگا: میں آپ کے ساتھ ہجرت کرتا ہوں۔ آپ نے اس کے بارے میں ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کی خدمت کرو اور اس کا خیال رکھو، چنانچہ جب غزوۂ خیبر ہوا اور اموالِ غنیمت حاصل ہوئے، تو آپ نے انھیں تقسیم کر کے اس نو مسلم بدّو کا بھی حصہ لگایا اور اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا، یہ بدّو، صحابہ کے اونٹ چرایا کرتا تھا، جب وہ آیا تو اس کے ساتھیوں نے اس کا حصہ اس کے حوالے کیا۔ اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ تمھارا حصہ ہے جو نبی ﷺ نے دیا ہے۔ اس نے وہ حصہ وصول کیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ میں نے تمھارا حصہ نکالا ہے۔'' اس نے کہا: میں اس غرض سے آپ کا پیرو نہیں بنا۔ میں تو اس لیے آپ کے ساتھ آیا ہوں کہ مجھے اِس جگہ تیر لگے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ اور میں مر جاؤں اور جنت میں جا پہنچوں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ بھی تمھارے ساتھ صداقت کا معاملہ فرمائے گا۔'' چنانچہ کچھ وقت گزرا، وہ دشمن سے قتال کے لیے اٹھے اور کچھ دیر بعد چند صحابہ رضی اللہ عنہم اسے اٹھائے ہوئے آئے اور نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اسے تیر لگا تھا اور اسی جگہ پیوست ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ وہی (بدّو) ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اس نے اللہ سے سچی بات کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔'' چنانچہ نبی ﷺ نے اس کو اپنے

[1] صحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة وحكم موتى أطفال الكفار وأطفال المسلمين، حديث: 2662، ومسند أحمد: 208/6، وسنن النسائي، الجنائز، باب الصلاة على الصبيان، حديث: 1949 واللفظ له. مزید ملاحظہ ہو امام شوکانی رحمہ اللہ کا رسالہ «أطفال الكفار في الآخرة» مطبوعہ دارالبيان الحديثة.

جبے میں کفن دیا، پھر اسے آگے کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس نماز میں سنا گیا، یعنی آپ نے یوں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا عَبْدُكَ، خَرَجَ مُهَاجِرًا فِي سَبِيلِكَ، فَقُتِلَ شَهِيدًا، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلٰى ذٰلِكَ»

''اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیری راہ میں ہجرت کر کے نکلا ہے اور شہید ہوا ہے اور میں اس کے لیے گواہ ہوں۔'' [1]

نماز جنازہ پڑھنے اور کثرتِ تعداد کی فضیلت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ الْجِنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ» قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: «مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ»

''جو شخص کسی کے جنازے میں حاضر ہو حتی کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے تو اس کے لیے ایک قیراط (اجر) ہے۔ اور جو اتنی دیر تک حاضر رہا کہ میت کو دفن کر دیا گیا تو اس کے لیے دو قیراط ہیں۔'' پوچھا گیا کہ دو قیراط کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کے مانند۔'' [2]

مالک بن ہُبَیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ يَّمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ بَلَغُوا أَنْ يَّكُونُوا ثَلَاثَةَ صُفُوفٍ إِلَّا غُفِرَ لَهُ»

''کوئی مومن فوت ہو جاتا ہے اور اس کے لیے مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت نماز جنازہ پڑھتی ہے کہ تین صفیں ہو جائیں، تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔''

چنانچہ مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کسی جنازے میں لوگ کم ہیں تو وہ ان کی تین صفیں بنا دیتے تھے۔ [3]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مَّيِّتٍ يُّصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً، كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ، إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ»

[1] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، باب الصلاة على الشهداء، حديث: 1955، والمصنف عبدالرزاق، حديث: 9597، والمستدرك للحاكم: 596,595/3. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، حديث: 1325، وصحيح مسلم، الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعها، حديث: 945. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الصف على الجنازة، حديث: 3166، وجامع الترمذي، الجنائز، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة لهٗ، حديث: 1028، ومسند أحمد: 79/4.

”جس مسلمان میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت پڑھے کہ ان کی تعداد سو تک ہو اور وہ سب اس کے لیے شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔“ [1]

جب مردوں اور عورتوں کے کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو ان سب کے لیے ایک ہی نماز جنازہ ہو گی: مردوں کی میتیں، چاہے وہ چھوٹے بچے ہی ہوں، امام کی طرف ہوں گی اور عورتوں کی قبلے کی طرف: جناب نافع سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نو میتوں کی اکٹھے ہی نماز جنازہ پڑھائی، مردوں کو امام کی طرف اور عورتوں کو قبلے کی طرف رکھا، اور ان سب کی ایک ہی صف بنا دی، علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم جو عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انھیں اور ان (ام کلثوم) کے زید نامی بیٹے کا جنازہ اکٹھے رکھا گیا اور ان دنوں سعید بن عاص امام، یعنی امیر تھے۔ حاضرین میں ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ لڑکے کی میت امام کی طرف رکھی گئی تھی۔ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اس کا انکار کیا اور جناب ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا، اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ ان سب نے کہا: یہی سنت ہے۔ [2]

امام کے لیے جائز ہے کہ متعدد جنازے ہوں تو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھائے: کیونکہ یہی اصل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ انھیں ایک اونی چادر سے ڈھانپ دیا گیا، پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں نو تکبیریں کہیں، پھر باری باری دوسرے مقتولوں کو لایا گیا، ان کے لیے صفیں بنائی جاتی تھیں، آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے اور ساتھ ہی حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ [3]

جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ازواج نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ ہم بھی ان کے جنازے میں شریک ہو جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کے جنازے کو ان کے حجروں کے پاس رکھا گیا اور انھوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، اور اسے باب الجنائز سے، جو لوگوں کی بیٹھک کی طرف تھا، نکالا گیا۔ پھر ازواج رضی اللہ عنہن کو خبر ملی کہ

---

[1] صحیح مسلم، الجنائز، باب من صلی علیه مائة شفعوا فیه، حدیث: 947، ومسند أحمد: 40/6. [2] [صحیح] سنن النسائي، الجنائز، باب اجتماع جنائز الرجال والنساء، حدیث: 1980. [3] [حسن] معاني الآثار للطحاوي: 290/1 نیز دیکھیے: أحکام الجنائز للألباني، ص: 106. یہ بات محل نظر ہے اور ان احادیث کے ثبوت میں کلام ہے۔ (عبدالولی)

کچھ لوگوں نے یہ عمل برا جانا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔ عائشہ ؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگیں: لوگ کس قدر جلدی بھولنے لگے ہیں، اور ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ جنازہ مسجد میں لایا گیا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء ؓ کا جنازہ مسجد ہی کے اندر پڑھا تھا۔ [1]

افضل یہ ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھی جائے اور اس کے لیے جگہ مخصوص ہو: حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ یہودی، نبی علیہ السلام کے پاس اپنے ایک مرد اور عورت کا مسئلہ لے کر آئے، جنھوں نے بدکاری کی تھی، آپ نے انھیں سزا دینے کا حکم دیا، چنانچہ انھیں مسجد کے قریب جہاں جنازے پڑھے جاتے تھے، رجم کیا گیا۔ [2]

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: ابن عمر ؓ کی روایت اس امر کی دلیل ہے کہ جنازے پڑھنے کے لیے جگہ مخصوص تھی۔ اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ بعض جنازوں کے بارے میں جو بیان آیا ہے کہ وہ مسجد میں پڑھے گئے، وہ کسی اتفاقی سبب کی بنا پر تھا یا شاید ایسا یہ بتانے کے لیے کیا گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کا جواز موجود ہے۔ [3]

جنازہ پڑھانے کے لیے امام، مرد میت کے سر اور عورت میت کی کمر کے مقابل کھڑا ہو: جناب ابوغالب کا بیان ہے کہ میں نے انس بن مالک ؓ کے ساتھ ایک مرد کا جنازہ پڑھا، تو انس اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لے آئے اور انھیں کہا کہ اے ابوحمزہ! اس کا جنازہ پڑھا دیجیے۔ اس پر وہ وسط چارپائی کے مقابل کھڑے ہوئے۔ علاء بن زیاد نے ان سے پوچھ لیا: کیا آپ نے نبی ﷺ کو اسی طرح دیکھا تھا کہ آپ بھی اسی طرح کھڑے ہوئے تھے جس طرح اس عورت اور اس مرد کے جنازے کے لیے آپ کھڑے ہوئے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ مسئلہ یاد کرلو۔ [4]

نماز جنازہ کا طریقہ: (1) اس میں چار تکبیریں کہی جائیں: جابر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اصحمہ نجاشی ؒ کا جنازہ پڑھایا تو اس میں چار تکبیریں کہیں۔ [5]

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، حديث: 973، وسنن أبي داود، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، حديث: 3189. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد، حديث: 1329. [3] فتح الباري: 3/199. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب أين يقوم الإمام من الميت إذا صلى عليه، حديث: 3194، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة، حديث: 1034 واللفظ له. [5] صحيح البخاري، الجنائز، باب التكبيرة على الجنازة أربعًا، حديث: 1334، و صحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبيرة على الجنائز، حديث: 952.

(2) پانچ تکبیریں: جناب عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ زید رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک بار ایک جنازے پر انھوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو میں نے ان سے وضاحت چاہی۔ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تکبیر کہا کرتے تھے۔[1]

(3) چھ تکبیریں: جناب عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تو اس پر چھ تکبیریں کہیں، پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یہ بدری (صحابی) ہیں۔

جناب شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ علقمہ شام سے آئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ شام میں آپ کے بھائی (صحابہ یا ائمہ) جنازوں پر پانچ تکبیریں کہتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے لیے کوئی ایک صورت متعین کر دیں تو ہم اسی پر آپ کی پیروی کریں۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے لمحے بھر کے لیے اپنا سر نیچے کیا، پھر کہا: اپنے جنازے دیکھو اور ان پر وہی تکبیریں کہو جو تمھارے امام کہتے ہیں۔ اس میں تعین وتحدید کی کوئی بات نہیں ہے۔[2]

(4) سات تکبیریں: جناب موسیٰ بن عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تو اس پر سات تکبیریں کہیں، اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے۔[3]

(5) نو تکبیریں: اس کی دلیل پیچھے ''امام کے لیے جائز ہے کہ متعدد جنازے ہوں تو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔

(6) پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے، یعنی رفع الیدین کرے۔[4]

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سنت میں ہمیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جس میں (جنازے میں) پہلی تکبیر کے علاوہ کسی اور میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہو۔ نہ ہم اس کو مشروع سمجھتے ہیں۔ حنفیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے، نیز علامہ شوکانی اور دیگر محققین نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں اور کہا ہے کہ جنازے میں رفع الیدین، پہلی تکبیر کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔[5]

(7) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پنچہ کلائی پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے جائیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

[1] صحیح مسلم، الجنائز، باب الصلاة علی القبر، حدیث: 957. [2] [صحیح] المحلّٰی لابن حزم: 126/5، انھوں نے فرمایا کہ اس کی سند انتہائی صحیح ہے۔ [3] [صحیح] شرح معاني الآثار للطحاوي: 496/1، والسنن الکبرٰی للبیهقي: 36/4. [4] شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق جنازے کی تکبیرات میں سے پہلی تکبیر کے سوا رفع الیدین کرنا مرفوعاً ثابت نہیں، البتہ السنن الکبرٰی للبیهقي: 44/4 میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً ثابت ہے، اس بنا پر تکبیرات میں رفع الیدین کرنا درست ہے۔ (عبدالولی) [5] المحلّٰی: 128/5 دیکھیے أحکام الجنائز، ص: 148.

روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

«إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا بِتَعْجِيلِ فِطْرِنَا، وَتَأْخِيرِ سُحُورِنَا، وَأَنْ نَضَعَ أَيْمَانَنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِي الصَّلَاةِ»

"ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کیا کریں اور نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا کریں۔" [1]

8 پہلی تکبیر کے بعد دعائے استفتاح، فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی جائے: طلحہ بن عبیداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک جنازہ پڑھا، تو آپ نے اس میں فاتحہ کی قراءت (بلند آواز سے) کی اور فرمایا: (میں نے ایسا اس لیے کیا ہے) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ [2]

سنن نسائی کے الفاظ اس طرح ہیں: انھوں نے فاتحہ اور سورت پڑھی اور آواز بلند رکھی حتی کہ ہمیں سنوایا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وضاحت چاہی تو انھوں نے فرمایا: یہ سنت ہے اور حق ہے۔ [3]

9 فاتحہ اور سورت کی قراءت خاموشی سے کی جائے: ابوامامہ سعد بن سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ام القرآن (فاتحہ) خاموشی سے پڑھے، پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے۔ [4]

10 دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے درود پڑھا جائے: جناب ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابن مسیب نے کہا: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہو اور فاتحہ پڑھو، پھر نبی ﷺ کے لیے درود شریف پڑھو، پھر میت کے لیے اخلاص سے دعا کرو اور قراءت صرف پہلی تکبیر کے بعد ہے، پھر خاموشی سے دائیں جانب سلام کہو۔ [5]

11 پھر باقی تکبیریں کہی جائیں اور ان میں میت کے لیے دل سوزی سے دعائیں کی جائیں: جیسا کہ پیچھے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

[1] [صحيح] صحيح ابن حبان (موارد)، حديث: 885، والمعجم الكبير للطبراني، حديث: 10851. [2] صحيح البخاري، حديث: 1335. [3] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، باب الدعاء، حديث: 1989. [4] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، عدد التكبير على الجنازة، حديث: 1991. [5] [صحيح] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 6428، والمنتقى لابن الجارود، حديث: 540.

(12) دعائیں وہ اختیار کرنی چاہییں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا اور اس میں یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا ، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا ، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا ، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا . اَللّٰهُمَّ! مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِيمَانِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ . اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ»

"اے اللہ! ہمارے زندہ رہنے والوں، فوت ہو جانے والوں، چھوٹوں بڑوں، مردوں عورتوں اور یہاں حاضر و موجود اور غائب سب کی بخشش فرما۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے، اسے ایمان کے ساتھ زندہ رکھ اور جسے تو ہم میں سے موت دینا چاہے، اسے اسلام پر موت دے۔ اے اللہ! ہمیں اس (مرنے والے) کے اجر سے محروم نہ فرما اور نہ اس کے بعد گمراہ کر۔" [1]

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو سنا، آپ ایک جنازے میں یہ دعا کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ ، وَاعْفُ عَنْهُ ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ ، وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ»

"اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، اسے معاف کر دے، اسے ہر طرح سے آرام دے، اور اس کی بہترین مہمانی فرما اور اس کے داخل ہونے کی جگہ کشادہ کر دے، اور اسے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال۔ اس کی غلطیوں سے اسے اس طرح صاف کر دے جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل سے پاک صاف کیا ہے۔ اسے (دنیا کے) گھر سے بڑھ کر بہترین گھر، اس کے اہل سے بڑھ کر بہترین اہل اور اس کے رفیق زندگی سے بڑھ کر رفیق زندگی عنایت فرما۔ اسے قبر کے فتنے اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔"

عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس میت کے لیے اس طرح کی دعا فرمائی تو مجھ میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! یہ میت میری ہی ہوتی۔ [2]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث: 3201، وجامع الترمذي، الجنائز، باب مايقول في الصلاة على الميت، حديث: 1024. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة، حديث: 963، وسنن النسائي، الجنائز، باب الدعاء، حديث: 1986.

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جس میں ہم بھی موجود تھے۔ میں نے سنا کہ آپ یوں دعا فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، اَللّٰهُمَّ! فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ»

''اے اللہ! فلاں بن فلاں تیری امان میں ہے، تیری ہمسائیگی میں ہے، اسے قبر کے فتنے (سوال جواب اور اس کے بھینچنے) سے بچا اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ تو شایانِ وفا اور حق والا ہے، اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، بلاشبہ تو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

(13) دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرا جائے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین باتیں رسول اللہ ﷺ کے معمولات ہیں مگر لوگوں نے انھیں چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے ایک جنازے میں نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے۔[2]

(14) پہلے سلام پر اکتفا بھی جائز ہے: جیسا کہ پہلے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے درود پڑھا جائے'' کے تحت گزر چکا ہے۔

(15) تین مکروہ اوقات جن میں نماز جنازہ سمیت کوئی نماز جائز نہیں: اس مسئلے کی تفصیل ''اوقات نماز'' میں عنوان ''اوقاتِ کراہت، جن میں نماز پڑھنا منع ہے، پانچ ہیں'' کے ذیل میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔[3]

جنازہ تیزی سے لے جانا سنت ہے: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دیگر لوگوں سمیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور ہم لوگ اس کیفیت کے قریب تھے کہ جنازہ لے کر رمل کر رہے ہوں۔[4]

جنازے کے ساتھ چلنا سنت ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] [صحیح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للمیت، حدیث: 3202، ومسند أحمد: 491/3. [2] [حسن] السنن الکبرٰی للبیهقي: 43/4. [3] عین طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور عین دوپہر کے وقت۔ البتہ فجر کی نماز اور عصر کے بعد مجبوری کی صورت میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ [4] [صحیح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، حدیث: 3182، وسنن النسائي، الجنائز، باب السرعة بالجنازة، حدیث: 1914. یہ حدیث بھی اس مسئلے کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ» ''جنازے کو جلد لے چلو۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 1315)

«مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِّثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ»

''جو شخص ایمان اور اجر و ثواب کے جذبے سے کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہو اور اس کے ساتھ رہے حتی کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور تدفین ہوگئی تو ایسا شخص دو قیراط اجر کے ساتھ واپس آتا ہے، ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جس شخص نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے دفن ہونے سے پہلے ہی لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط کے ساتھ واپس آیا۔'' [1]

جنازہ اٹھانا سنت ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُونِي، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ: يَاوَيْلَهَا! أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ»

''جب جنازہ تیار کر دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر وہ میت نیک ہو تو کہتی ہے: مجھے آگے لے چلو، اگر نیک نہ ہو تو کہتی ہے: ہائے افسوس! اسے لے کر کہاں جا رہے ہو؟ اس کی یہ آواز انسانوں کے علاوہ سب مخلوق سنتی ہے، اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔'' [2]

جنازے کے آگے یا پیچھے چلنے والے سب برابر ہیں: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ، وَالْمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا، وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ»

''سوار آدمی میت کے پیچھے چلے اور پیدل چلنے والا جہاں چاہے، اور بچے کا جنازہ بھی پڑھا جائے۔'' [3]

امام شوکانی فرماتے ہیں: چاہے جنازے کے آگے چلنا افضل نہ ہو، بہرحال اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ پیچھے چلنے کے برابر ہے اور کسی صحیح یا حسن حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے اور اس بارے میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں۔ [4]

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب اتباع الجنائز من الإيمان، حديث: 47، وصحيح مسلم، الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعها، حديث: 945. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب حمل الرجال الجنازة دون النساء، حديث: 1314. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب المشي أمام الجنازة، حديث: 3180، وسنن النسائي، الجنائز، باب مكان الراكب من الجنازة، حديث: 1944. [4] وبل الغمام على شفاء الأوام: 1/388. جنازے کے آگے پیچھے چلنا جائز ہے لیکن افضل »

جنازے کے ساتھ سوار ہونا ناپسندیدہ عمل ہے: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کے ساتھ تھے، آپ کو سواری پیش کی گئی۔ آپ نے سوار ہونے سے انکار فرما دیا، اور جب واپس آ رہے تھے تو پھر سواری پیش کی گئی، آپ سوار ہو گئے اور اسے قبول کر لیا۔ آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

«إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَمْشِي فَلَمْ أَكُنْ لِأَرْكَبَ وَهُمْ يَمْشُونَ فَلَمَّا ذَهَبُوا رَكِبْتُ»

''فرشتے چل رہے تھے، مجھے زیب نہ دیتا تھا کہ میں سوار ہو جاؤں جبکہ فرشتے پیدل چل رہے تھے، جب وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔'' [1]

جنازے کو کسی چھکڑے یا جنازے کی مخصوص گاڑی میں لے جانا اور لوگوں کا اپنی اپنی سواریوں پر اس کے ساتھ جانا: یہ عمل درج ذیل وجوہات کی بنا پر کسی طرح شرعی عمل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ غیر شرعی ہے:

1. کیونکہ یہ کفار کا طرز عمل ہے جبکہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ کفار کے اطوار اپنانا کسی طرح بھی جائز نہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں آیا ہے۔
2. اس سے ایک شرعی عبادت میں نہ صرف بدعت شامل ہو جاتی ہے، بلکہ جنازہ اٹھانے کی سنت ضائع ہوتی ہے۔ اس طرح کے جو بھی نئے کام ہوں، باتفاق علمائے کرام گمراہی ہوتے ہیں۔
3. اس سے جنازہ اٹھانے اور جنازے کے ساتھ چلنے کا اصل مقصد ضائع ہو جاتا ہے، یعنی موت کی یاد اور فکر پیدا نہیں ہونے پاتی۔
4. اس سے جنازے کے ساتھ چلنے اور ثواب پانے والوں کی تعداد بہت حد تک کم ہو جاتی ہے کیونکہ سب لوگوں کی یہ استطاعت نہیں ہوتی کہ گاڑی حاصل کر سکیں۔
5. یہ مظاہر نہ صرف ہماری آسان شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں بلکہ یہ رسم و رواج کے زمرے میں آتے ہیں اور شریعت ان سے بہت بعید ہے بالخصوص موت جیسے المناک موقع پر! [2]

میت کے بارے میں مبالغہ آمیز تشہیر اور اعلانات ممنوع ہیں: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا

» پیچھے چلنا ہی ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے «وَاتَّبِعُوا الْجَنَائِزَ» فرمایا ہے اور اتباع پیچھے چلنے کو کہتے ہیں، یعنی جنازوں کے پیچھے چلو۔ (صحيح الأدب المفرد: 518) علی رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اس مسئلے کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھیے أحكام الجنائز للألباني، ص: 96 (عبدالولی) [1] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الركوب في الجنازة، حديث: 3177. [2] أحكام الجنائز للألباني، ص: 100,99.

ہے کہ انھوں نے کہا: جب میں مر جاؤں تو میرے متعلق اعلان نہ کرنا، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کہیں نعی (ممنوع اعلان) نہ ہو جائے، بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نعی سے منع فرماتے تھے۔[1]

* نعی کا مفہوم: نعی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے مرنے کی خبر دینا مگر جاہلیت کی سی نعی حرام ہے۔ قدیم عربوں میں جب کوئی شرف اور مرتبے والا آدمی مر جاتا یا قتل ہو جاتا تھا تو وہ کسی سوار کو قبیلوں میں بھیجتے تھے جو انھیں اس کے مرنے کی اطلاع دیتا اور کہتا: «نَعَاءِ فُلَانًا» یا «يَانَعَاءِ الْعَرَبَ» یعنی فلاں ہلاک ہو گیا ہے، یا فلاں کی موت سے عرب ہلاک ہو گئے۔

اعلانِ وفات جائز ہے بشرطیکہ نعیِ جاہلیت کے مشابہ نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی کی وفات ہوئی تو رسالت مآب ﷺ نے اس کی موت کی خبر دی، جنازہ گاہ کی طرف نکلے، صحابہ کی صفیں بنائیں اور جنازے میں چار تکبیریں کہیں۔[2] کبھی یہ اعلانِ وفات لازم ہو جاتا ہے، مثلاً: جب غسل، تکفین اور تدفین کے لیے کوئی نہ ہو۔

میت پر نوحہ کرنا حرام ہے: جیسا کہ پہلے عنوان "میت کے اقارب کے لیے درج ذیل افعال حرام ہیں" کے تحت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا ہے۔

جنازے کے ساتھ آگ لے جانا حرام ہے: حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جناب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا، وصیت فرمائی کہ میری میت کے ساتھ آگ نہ لے جانا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ سے (ممانعت سنی ہے۔)[3]

یاد رکھیے! جنازے کے ساتھ کسی طرح کا ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا بدعت ہے جیسا کہ جناب قیس بن عباد کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ جنازوں کے قریب آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔[4]

مزید برآں اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ وہ لوگ اس موقع پر اپنی انجیل یا دوسرے اذکار

---

[1] [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية النعي، حديث: 986، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في النهي عن النعي، حديث: 1476، و مسند أحمد: 385/5. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، حديث: 1245، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، حديث: 951 اسی طرح نبیٔ اکرم ﷺ نے موتہ کے دن زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل ہونے کی خبر دی۔ صحيح البخاري، حديث: 1246. (عبدالولی)

[3] [حسن] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في الجنازة لا تؤخر إذا حضرت ولا تتبع بنار، حديث: 1487، ومسند أحمد: 397/4. [4] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 74/4.

بلند آواز سے اور حزنیہ لہجے میں پڑھتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درست اور افضل بات، جس پر ہمارے سلف صالح کاربند تھے، یہی ہے کہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی اختیار کی جائے اور کسی قسم کی قراءت یا ذکر میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کہ اس موقع کی مناسبت سے انسان کو موت اور آخرت کے بارے میں سوچ بچار کا موقع ملتا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ اس کی ہرگز پروا مت کریں کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کے برعکس عمل کرتی ہے۔

جناب ابوعلی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول بھی اسی کے ہم معنی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہدایت کی راہ اختیار کریں، اور اس راہ پر چلنے والوں کی قلت تعداد سے مت گھبرائیں، گمراہی کے راستے سے بہر طور بچیں، ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا مت کھائیں۔ اس کے بعد انھوں نے قیس بن عباد کا قول بتایا جو اوپر آ چکا ہے۔ دمشق میں اکثر جاہل قاری صاحبان جنازوں پر لحن اور لے کے ساتھ قراءتیں کرتے ہیں، یہ سب باجماع علماء حرام ہے۔[1]

سنت یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ آنے والا اس کے رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ»

"جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، اور جو اس کے ساتھ جائے، اس کے رکھے جانے سے پہلے مت بیٹھے۔"[2]

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانا منسوخ ہے: بہت سی صحیح احادیث اس بارے میں آئی ہیں کہ اگر بیٹھے ہوئے آدمی کے پاس سے جنازہ گزرے تو وہ کھڑا ہو جائے، مثلاً: عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ»

"جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ تم سے گزر جائے۔"[3]

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علمائے سلف کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی حدیث منسوخ ہے۔ اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم (حدیث: 962) میں واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ

[1] الأذكار: 4/183، الفتوحات الربانية. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب من تبع جنازة فلا يقعد حتى توضع عن مناكب الرجال فإن قعد أمر بالقيام، حديث: 1310، وصحيح مسلم، الجنائز، باب القيام للجنائز، حديث: 958. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب القيام للجنازة، حديث: 1307، وصحيح مسلم، الجنائز، باب القيام للجنازة، حديث: 958.

سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بنوسلمہ کے علاقے میں ایک جنازے میں حاضر ہوا تو (جنازہ دیکھ کر) میں کھڑا ہوگیا تو نافع بن جبیر نے مجھ سے کہا: بیٹھ جاؤ، میں تمھیں اس بارے میں درست بات کی خبر دیتا ہوں۔ نافع نے کہا: مجھے مسعود ابن حکم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوا کرتے تھے مگر پھر بعد میں بیٹھنے لگے تھے۔

قبرستان میں داخل ہوتے یا اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دعا کرنا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان میں آئے تو کہا:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ . وَإِنَّا ، إِنْ شَاءَ اللهُ ، بِكُمْ لَاحِقُونَ»

''اس گھر کے مومن باسیو! تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں۔'' [1]

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سکھایا کرتے تھے کہ جب قبرستان جاؤ تو یوں کہو:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ ، وَإِنَّا ، إِنْ شَاءَ اللهُ ، لَلَاحِقُونَ ، أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»

''تم پر سلامتی ہو، اس گھر کے مومن و مسلم باسیو! اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تم سب کے لیے آرام وراحت کا سوال کرتے ہیں۔'' [2]

میت کو اتنی گہری قبر میں دفن کیا جائے کہ وہ درندوں سے محفوظ رہے: حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ (مجاہدین کو) بہت زیادہ زخم آئے ہیں، اس لیے ہر شخص کے لیے الگ قبر بنانا مشکل ہے، اس پر آپ نے فرمایا:

«اِحْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَّقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا»

''(شہداء کے لیے) قبریں کھودو، کھلی اور عمدہ بناؤ۔ اور ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین میتوں کو دفن کر دو، اور آگے اسے رکھو جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔''

[1] صحیح مسلم، الطهارة، القيام باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، حديث: 249، وسنن النسائي، الطهارة، باب حلية الوضوء ، حديث: 150. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 975، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء فيما يقال إذا دخل المقابر، حديث: 1547.

ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد بھی شہید ہو گئے تھے اور انھیں دو آدمیوں سے آگے رکھا گیا تھا۔ [1]

قبر کو کھڈے کی صورت میں بنائیں تو جائز ہے مگر لحد بہتر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا» ”لحد ہمارے لیے ہے اور شق دوسروں کے لیے۔“ [2]

میت کو قبر میں اس کی پائینتی کی طرف سے داخل کیا جائے: ابواسحٰق سبیعی سے روایت ہے کہ حارث نے وصیت کی کہ میرا جنازہ عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہما پڑھائیں، چنانچہ انھوں نے جنازہ پڑھایا، پھر میت کو قبر کی پائینتی کی طرف سے اندر اتارا اور کہا کہ یہی سنت ہے۔ [3]

میت کو لحد میں اتارنے اور رکھنے والے کی مسنون دعا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت کو قبر میں رکھتے تو کہا کرتے تھے: «بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ» ”اللہ کے نام سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق رکھتا ہوں۔“ [4]

میت کو اس کے دائیں پہلو پر لٹایا جائے اور اس کا چہرہ قبلے کی طرف رکھا جائے: سر قبلے سے دائیں جانب اور پاؤں بائیں جانب ہوں، اس کی دلیل یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک اہل اسلام اس طریقے پر عمل کر رہے ہیں۔

مستحب ہے کہ شریک جنازہ ہر شخص قبر پر کم از کم تین مٹھی مٹی ڈالے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے لیے نماز پڑھائی، پھر قبر پر آئے اور اس کے سر کی جانب سے قبر پر تین مٹھی مٹی ڈالی۔ [5]

قبر کو ایک بالشت سے زیادہ اونچا نہ کیا جائے: ابو ہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا؟ وہ

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في دفن الشهداء، حديث: 1713، وسنن النسائي، الجنائز، باب مايستحب من إعماق القبر، حديث: 2012. سنن نسائی میں یہ اضافہ بھی ہے: «وَأَعْمِقُوا» ”اور ان (قبروں) کو گہرا کرو۔“

[2] [حسن] سنن أبي داود، الجنائز، باب في اللحد، حديث: 3208، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في قول النبي ﷺ «اللحدلنا والشق لغيرنا»، حديث: 1045. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب كيف يدخل الميت قبره، حديث: 3211. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الدعاء للميت إذا وضع في قبره، حديث: 3213، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء مايقول إذا أدخل الميت القبر، حديث: 1046. [5] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في حثو التراب في القبر، حديث: 1565.

یہ کہ جہاں کوئی مورتی پاؤ تو اسے مٹا ڈالنا اور جہاں کوئی قبر اونچی نظر آئے، اسے برابر کر دینا۔[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے لیے جو لحد بنائی گئی، اس میں کچی اینٹیں لگائی گئیں اور اسے زمین سے ایک بالشت اونچا کیا گیا۔[2]

قبر کو کوہان دار بنایا جائے: جناب سفیان تمار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی قبر دیکھی جو کوہان دار تھی۔[3]

قبر پر کسی پتھر وغیرہ کی علامت رکھنا: جناب مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ان کا جنازہ لایا گیا اور دفن کر دیا گیا تو رسالت مآب ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک پتھر لاؤ مگر اس شخص سے پتھر نہ اٹھایا جا سکا، چنانچہ آپ خود اس کی طرف گئے، اپنی آستین چڑھائیں، یہ منظر دیکھنے والے نے بیان کیا ہے کہ گویا میں آج بھی آپ علیہ السلام کے (آستین چڑھانے کا منظر اور آپ کے) بازوؤں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے وہ پتھر اٹھایا، قبر کے سرہانے کی طرف رکھا اور فرمایا: ''اس (نشانی) سے مجھے اپنے بھائی کی قبر کی پہچان رہے گی، اور اپنے اہل میں سے جو فوت ہوگا، اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔''[4]

تدفین کے بعد قبر کے پاس ٹھہرے اور متوفی کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرے: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ»

''اپنے بھائی کے لیے بخشش مانگو اور اس کی ثابت قدمی کی دعا کرو، بلاشبہ اب اس سے سوال ہونے والے ہیں۔''[5]

قبروں کی زیارت کے لیے جانا: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا»

''میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، مگر (اب) ان کی زیارت کے لیے جایا کرو۔''[6]

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، حديث: 969، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في تسوية القبر، حديث: 3218.
[2] [صحيح] صحيح ابن حبان، حديث: 6601. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي ﷺ وأبي بكر و عمر رضي الله عنهما، حديث: 1390. [4] [حسن] سنن أبي داود، الجنائز، باب في جمع الموتٰى في قبر و القبر يعلم، حديث: 3206.
[5] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، حديث: 3221، والمستدرك للحاكم: 370/1. [6] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث: 977.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی، خود بھی روئے، اردگرد موجود اپنے ساتھیوں کو بھی رلایا اور فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِّي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ»

''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی اوران کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دے دی گئی۔ پس قبروں کی زیارت کیا کرو، بلاشبہ وہ تمھیں موت یاد دلاتی ہے۔''[1]

مرد ہوں یا عورتیں، زیارتِ قبور سبھی کے لیے مستحب ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

1. اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «فَزُورُوا الْقُبُورَ» ''قبروں کی زیارت کیا کرو۔'' عام حکم ہے، اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

2. وہ سبب جس کی بنا پر مردوں کو یہ اجازت دی گئی ہے، اس میں عورتیں بھی مردوں کی شریک ہیں، یعنی: « فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ» ''بلاشبہ قبروں کی زیارت تمھیں موت یاد دلاتی ہے۔''

3. ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (زیارت قبور کے موقع پر) قبر والوں کے لیے میں کیا کہا کروں؟ فرمایا: ''کہا کرو:

« اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا، إِنْ شَاءَ اللهُ، بِكُمْ لَلَاحِقُونَ»

''سلام ہو ان گھروں (قبروں) کے مومن اور مسلمان مکینوں پر۔ اور اللہ ہم میں سے پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم فرمائے۔ اور بلاشبہ ہم بھی اگر اللہ نے چاہا تو ضرور تم سے ملنے والے ہیں۔''[2]

4. جناب عبداللہ بن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ ایک دن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا قبرستان کی طرف سے آ رہی تھیں، تو میں نے پوچھ لیا کہ اے ام المؤمنین! آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟ فرمایا: میں اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی قبر سے آ رہی ہوں۔ میں نے عرض کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا ہے؟ فرمایا: ہاں،

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث: 976. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 974.

آپ نے منع فرمایا تھا مگر بعد ازاں زیارت قبور کا حکم دے دیا تھا۔[1]

عورتوں کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ قبروں پر جا کر روئیں دھوئیں یا زینت کا مظاہرہ کریں۔ قبرستان کو سیرگاہ بنا لینا بھی بہت بری بات ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر بہت زیادہ جاتی ہوں۔[2]

کسی کافر کی قبر کی زیارت صرف جائز ہے، جیسا کہ قبل ازیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں گزرا ہے۔[3]

جو شخص قبرستان جائے، مسنون یہ ہے کہ وہ وہی دعائیں پڑھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، جیسا کہ یہ ''قبرستان میں داخل ہوتے یا اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دعا کرنا'' اور ''قبروں کی زیارت کے لیے جانا'' کے تحت مذکور ہوئی ہیں۔

قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے قبلہ رخ ہونا مستحب ہے: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے، ہم قبر تک پہنچے تو اس کی لحد اس وقت تک تیار نہیں ہوئی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔[4]

اہلِ میت سے تعزیت کرنا مسنون ہے: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کے پاس پیغام بھیجا۔ اس وقت اسامہ، سعد اور ابی رضی اللہ عنہم آپ کے پاس تھے، ہمارا خیال ہے کہ صاحبزادی نے عرض کیا تھا کہ میرا بیٹا نزع کی کیفیت میں ہے، آپ تشریف لے آئیں، آپ نے جواب میں سلام کہلوایا اور فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَلْتَحْتَسِبْ وَلْتَصْبِرْ». فَأَرْسَلَتْ تُقْسِمُ عَلَيْهِ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا، فَرُفِعَ الصَّبِيُّ فِي حَجْرِ

---

[1] [صحيح] المستدرك للحاكم:1/376. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء، حديث: 1056، ومسند أحمد:2/337. [3] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث: 977. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب كيف يجلس عندالقبر، حديث: 3212، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في الجلوس في المقابر، حديث:1548. مؤلف کا یہ کلام مبہم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والا دعا کرتے وقت قبلہ رخ ہو اور دعا کرتے وقت قبر کی طرف چہرہ کرنا جائز نہیں ہے۔ دیکھیے أحكام الجنائز للألباني، ص: 247 واقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، ص: 399 جبکہ صرف زیارت کرنا ہو تو قبر کی طرف منہ کرنا درست ہے اور قبرستان میں ویسے انسان بیٹھا ہو تو اس کے لیے قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔ (عبدالولی)

النَّبِيِّ ﷺ وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ، فَفَاضَتْ عَيْنَا النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «هٰذِهِ الرَّحْمَةُ وَضَعَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ، وَلَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الرُّحَمَاءَ»

"اللہ ہی کے لیے ہے جو وہ لے لے اور جو وہ عنایت فرمائے اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، اسے چاہیے کہ اللہ سے اجر کی امید رکھے اور صبر کرے۔" صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور قسم دے کر عرض کیا کہ ضرور تشریف لائیں، نبی ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پھر بچے کو آپ کی گود میں رکھ دیا گیا۔ اس وقت بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ یہ الم انگیز سماں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: "یہ رحمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے، جسے چاہتا ہے، اس کے دل میں اسے رکھ دیتا ہے، اور اللہ اپنے بندوں میں سے انھی پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوں۔" [1]

اہلِ میت کے لیے کھانا تیار کرنا سنت ہے: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»

"آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، انھیں ایک ایسا معاملہ درپیش ہے جس نے انھیں مصروف کر دیا ہے۔" [2]

قبر کو سجدہ گاہ بنانا اسے مزین کرنا یا اس پر کچھ لکھنا حرام ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

"اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔" [3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے، اس پر بیٹھنے اور اس پر کچھ تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [4]

---

[1] صحيح البخاري، المرض، باب عيادة الصبيان، حديث: 5655، وصحيح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حديث: 923. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، حديث: 3132. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب مايكره من اتخاذ المساجد على القبور، حديث: 1330، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، واتخاذ الصور فيها، والنهي عن اتخاذ القبور مساجد، حديث: 529. [4] صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، حديث: 970، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في البناء على القبر، حديث: 3225، ومسند أحمد: 3/399.

قبر پر بیٹھنا حرام ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَأَنْ يَّجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ، فَتَخْلُصَ إِلٰى جِلْدِهِ، خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ»

''تم میں سے کوئی انگارے پر بیٹھ جائے، وہ اس کے کپڑے جلا دے اور پھر اس کا اثر اس کے بدن تک پہنچ جائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔'' [1]

قبر کے پاس قبر کی طرف منہ کیے بغیر بھی نماز حرام ہے: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْحَمَّامَ وَالْمَقْبَرَةَ»

''ساری زمین سجدہ گاہ ہے سوائے حمام اور مقبرے کے۔'' [2]

قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے: ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: «لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ، وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا»

''قبروں کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔'' [3]

قبرستان کو میلہ گاہ بنانا حرام ہے اور جن ایام میں لوگ وہاں کوئی تقریب مناتے ہوں، قبروں پر جانا منع ہے: عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُّعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بننے دینا کہ اس کی عبادت کی جانے لگے۔ ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوا ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔'' [4]

جو لوگ فوت ہو چکے ہوں انھیں برا کہنا حرام ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوا»

---

[1] صحيح مسلم ، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث:971، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في كراهية القعود على القبر، حديث:3228. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في المواضع الّتي لا تجوز فيها الصلاة، حديث:492. [3] صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث:972.
[4] [صحيح] الموطأ للإمام مالك:122/1.

''جو لوگ فوت ہو چکے ہوں، انھیں برا مت کہو۔ بلاشبہ جو کچھ انھوں نے آگے بھیجا، وہ اس کی طرف پہنچ چکے ہیں۔''[1]

میت کو کس چیز سے فائدہ پہنچتا ہے؟ (1) کوئی مسلمان اس کے لیے دعا کرے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

''اور (مالِ فَے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

مزید برآں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ - بِظَهْرِ الْغَيْبِ - مُسْتَجَابَةٌ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ، كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ، قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمِينَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ»

''مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے (اور) دعا کرنے والے کے سر کے پاس ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ مقرر کردہ فرشتہ کہتا ہے: آمین، اور تیرے لیے بھی اسی کے مثل ہو۔''[3]

(2) **صدقات جاریہ:** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین صورتوں کے: جاری رہنے والا صدقہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما ينهى من سب الأموات، حديث: 1393. [2] الحشر 59:10. [3] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، حديث: 2733، وسنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء بظهر الغيب، حديث: 1534. [4] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631، وسنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الصدقة عن الميت، حديث: 2880.

3 میت کے ذمے اگر نذر کے کوئی روزے ہوں تو ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے کوئی روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔''[1]

4 میت کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کیا جائے، چاہے ولی ادا کرے یا کوئی اور: احادیث میں آتا ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک میت کی طرف سے اس کے دو دینار ادا کیے تھے۔[2]

5 نیک اولاد جو بھی نیک اعمال کرے، مومن ماں باپ کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ ''اور یہ کہ انسان کے لیے بس وہی کچھ ہے جس کی اس نے سعی کی۔''[3]

عمارہ بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ میری پھوپھی کی سرپرستی میں ان (کے خاندان) کا ایک یتیم بچہ تھا، وہ کچھ کمائی بھی کیا کرتا تھا، پھوپھی صاحبہ اس کی کمائی میں سے کچھ کھانے میں حرج سمجھتی تھیں، انھوں نے اس بارے میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ، وَإِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ»

''بہترین چیز جو آدمی کھاتا ہے، وہی ہے جو اس کی اپنی کمائی سے ہو، اور آدمی کی اولاد اسی کی اپنی کمائی ہے۔''[4]

''جنازوں کے مواقع پر بہت سی بدعات رواج پا گئی ہیں، ان پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ انسان ان سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی خبردار کر سکے۔ ان بدعات کی نشاندہی علامہ محدث محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ''أحكام الجنائز و بدعها'' میں کی ہے۔ (ص: 305-336)

1 صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1952، وصحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت، حديث: 1147. 2 مسند أحمد: 3/330. 3 النجم 53:39. 4 [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده، حديث: 3528، ومسند أحمد: 6/31 و127 و193.

3

روزے کے احکام ومسائل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○

(البقرة183:2)

رمضان کے روزے واجب ہونے کا بیان

صوم کا لغوی معنیٰ: صوم کا لغوی مطلب ہے ''رک جانا'' نابغہ ذبیانی کا ایک شعر ہے:

«خَيْلٌ صِيَامٌ وَّخَيْلٌ غَيْرُ صَائِمَةٍ
تَحْتَ الْعَجَاجِ وَأُخْرٰى تَعْلُكُ اللُّجُمَا»

''کچھ گھوڑے رکے ہوئے تھے اور کچھ غبار میں متحرک تھے اور کچھ لگامیں چبا رہے تھے۔''

جب گھوڑے نہ چل رہے ہوں، رکے ہوئے ہوں، ٹھہرے ہوئے ہوں تو کہا جاتا ہے: صَامَتِ الْخَيْلُ.

اور جب ہوا بند ہو، رکی ہوئی ہو، چل نہ رہی ہو تو کہتے ہیں: صَامَتِ الرِّيحُ.

صوم کا شرعی اور اصطلاحی مطلب: عبادت کی نیت سے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت (جماع) سے رکے رہنے کو صوم (روزہ) کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں صوم کا لفظ دو معنوں میں آیا ہے: ایک یہی معروف شرعی معنی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ''تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے۔''[1]

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

''پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔''[2]

اور دوسرے معنی ہیں: خاموش رہنا، بولنے سے باز رہنا۔[3]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾

''میں نے اللہ کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، یعنی خاموش رہوں اور بات نہ کروں۔''

انھی معنوں میں ہے۔

[1] البقرة 2:183. [2] البقرة 2:185. [3] لسان العرب: 12/351,350.

روزے کا حکم: ماہ رمضان میں روزے رکھنا اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

"اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج اور رمضان کے روزے رکھنا۔" [2]

روزے کی فضیلت

روزہ قربِ الٰہی کے حصول کا باعث: قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے روزے رکھنے کی ترغیب اور اس کی زبردست فضیلت آئی ہے، مثلاً:

﴿ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اور تمھارا روزہ رکھنا تمھارے لیے کہیں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔" [3]

"روزہ رکھنا زبردست فوائد و برکات کا حامل ہے، اس میں انسان کو اپنے ارادے کو پکا اور عزیمت کو صحیح بنانے کا سبق ملتا ہے۔ تاکہ انسان اپنی ذات میں مشکل اور مشقت برداشت کرنے والا بنے، اللہ کی عبادت کو اپنے آرام و راحت پر ترجیح دینے والا ہو۔ روزے دار کے لیے بشرطیکہ مریض نہ ہو، ظاہری صحت کے لحاظ سے بھی اس میں بہت سے فوائد ہیں، چاہے اس حالت میں روزے دار کو کوئی مشقت بھی جھیلنی پڑے۔" [4]

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

[1] البقرة 2:183. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام، حديث: 16. [3] البقرة 2:184. [4] في ظلال القرآن، البقرة 2:184.

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''[1]

روزہ کفارہ ہے: قرآن مجید کی بعض آیات میں مذکور ہے کہ بعض صورتوں میں روزہ بعض اعمال اور جرائم کا کفارہ ہے، مثلاً: حالتِ احرام میں بیماری وغیرہ کے عذر سے اگر سر منڈوا دے یا قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، یا کوئی کسی ذمی کو غلطی سے قتل کر بیٹھے، یا قسم توڑ بیٹھے یا حالتِ احرام میں شکار کر لے یا اپنی بیوی سے ظہار کا مرتکب ہو (خاوند اپنی بیوی کو کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو) وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۟ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تمھیں (راستے میں) روک دیا جائے تو قربانی کے لیے جو میسر ہو (وہ قربان کر دو) اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے، پھر اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا، وہ (احرام کھول کر) جو میسر ہو قربانی کرے، پھر جو شخص (قربانی) نہ پائے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ، یہ پورے دس (روزے) ہیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''[2]

[1] الأحزاب 35:33. [2] البقرة 196:2.

مزید فرمایا:

﴿ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۚ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾

اور اگر وہ (مقتول) ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾

"اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے، پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنے ہیں۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔"[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾

"اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو، اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا

---

[1] النسآء 4:92. [2] المآئدة 5:89.

جائے گا۔ یااس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یااس کے برابر روزے رکھنا ہے، تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا، وہ اللہ نے معاف کیا، اور جو کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔'' [1]

اور ظہار کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○﴾

''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں، تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ اس سے باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے ہیں اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص ہمت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' [2]

روزہ اور قرآن سفارش کریں گے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ»

''روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے دن میں کھانے پینے اور شہوانی جذبات سے باز رکھا، پس میری اس کے بارے میں سفارش قبول فرمالے۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے نہیں دیا، اس لیے اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرمالے۔ چنانچہ ان دونوں کی سفارشیں مان لی جائیں گی۔'' [3]

روزے داروں کے لیے ایک مخصوص دروازہ ''باب الریان'' ہے: حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

[1] المآئدة 5:95. [2] المجادلة 58:3، 4. [3] [صحيح] مسند أحمد: 2/174، والمستدرك للحاكم: 1/554.

کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ: اَلرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ»

''جنت کا ایک دروازہ ہے جسے ''الریان'' کہا جاتا ہے جس سے قیامت کے دن روزے داروں کے علاوہ اور کوئی نہیں گزرے گا۔ کہا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ وہ اٹھیں گے، اس سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں گزرے گا، جب یہ گزر جائیں گے تو اسے بند کر دیا جائے گا، اس سے کوئی اور داخل نہیں ہو سکے گا۔'' [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ، نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ: يَاعَبْدَ اللهِ! هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ»

''جو شخص اللہ کی راہ میں کسی چیز کا ایک جوڑا خرچ کرے گا، اسے جنت کے دروازوں سے ندا دی جائے گی: اے اللہ کے بندے! یہ بہت بہتر ہے، چنانچہ جو نماز والوں میں سے ہوگا، اسے نماز کے دروازے سے پکار آئے گی، جو جہاد والوں میں سے ہوگا، اسے جہاد کے دروازے سے پکارا جائے گا۔ جو روزے داروں میں سے ہوگا، اسے باب الریان سے پکار آئے گی، اور جو صدقہ والوں میں سے ہو، اسے صدقے کے دروازے سے پکار کر بلایا جائے گا۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اس کی ضرورت تو نہیں کہ کسی کو سب دروازوں سے پکارا جائے لیکن کیا اللہ کے ایسے بندے بھی ہوں گے جن کو سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ؛ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ»

''ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم انھی میں سے ہو گے۔'' [2]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1896، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1152. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1897، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل من ضم إلى الصدقة غيرها من أنواع البر، حديث: 1027.

روزہ مسلمان کے لیے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوگا: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ»

''جس نے اللہ کی راہ میں (یا اللہ کے لیے) ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے اور آگ کے درمیان ایک خندق بنا دے گا (وہ اس قدر چوڑی اور گہری ہوگی) جس قدر آسمان اور زمین کا درمیانی فاصلہ ہے۔'' [1]

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِّنَ الْقِتَالِ»

''روزہ آگ سے ڈھال ہے جس طرح کہ تم میں سے کسی کی ڈھال لڑائی میں کام دیتی ہے۔'' [2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ زَحْزَحَهُ اللهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»

''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دے گا۔'' [3]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مَّا لَمْ يَخْرِقْهَا»

''روزہ ڈھال ہے، جب تک کہ اس میں وہ شخص چھید نہ کر دے۔'' [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ فَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلَا يَجْهَلْ يَوْمَئِذٍ، وَإِنِ امْرُؤٌ جَهِلَ عَلَيْهِ فَلَا يَشْتِمْهُ وَلَا يَسُبَّهُ وَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»

[1] [حسن] جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 1624. [2] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 2232، ومسند أحمد: 22/4. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 2840، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام في سبيل الله لمن يطيقه، بلا ضرر ولا تفويت حق، حديث: 1153. [4] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 2235.

''روزہ آگ سے ڈھال ہے۔ جو روزے کی حالت میں صبح کرے تو وہ اس دن میں کوئی جہالت کی بات نہ کرے، اگر کوئی اس سے اس طرح کی بات کرے تو یہ اس سے گالی گلوچ نہ کرے، بلکہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! البتہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ زَحْزَحَهُ اللهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»

''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اسے آگ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کردے گا۔'' [2]

روزہ روزے دار کو جنت میں لے جائے گا: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیں جو میں آپ سے خصوصیت کے ساتھ حاصل کرلوں، فرمایا:

«عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ» ''روزے رکھا کرو، اس جیسا کوئی عمل نہیں۔'' [3]

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے کا سہارا دیا، تو آپ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے «لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ» کہا، اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھا اور اس پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے اللہ کی راہ میں کوئی صدقہ دیا اور اس پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' [4]

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 2236. اور حدیث میں وارد الفاظ «الخُلُوف» اور خِلفة (خ کے کسرے کے ساتھ) کا مفہوم ہے ''منہ کی مہک کا بدل جانا'' اصل میں یہ لفظ نباتات کے بارے میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ نباتات میں بوٹیاں ایک دوسری کے بعد اگتی ہیں، اس طرح پہلی مہک بدل جانے کے بعد دوسری بو آ جاتی ہے۔ [النهاية في غريب الأثر: 143/2، مادة: خ. ل. ف.] [2] [صحيح] جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 1622، ومسند أحمد: 357/2، نیز دیکھیے صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 989. [3] [صحيح] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 25-2222، ومسند أحمد: 248/5. [4] [صحيح] مسند أحمد: 391/5، نیز دیکھیے صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 985.

روزے داروں کو بے حساب اجر ملے گا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ، وَلَخُلُوفُ فِيهِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»

''ابن آدم کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے۔ ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مگر روزہ، سو بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ میری خاطر ہی بندہ اپنے جذبات اور کھانا پینا ترک کرتا ہے۔'' روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی اسے روزہ کھولنے کے وقت ملتی ہے اور دوسری خوشی اسے اس وقت ملے گی جب اس کی اپنے رب سے ملاقات ہوگی۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری سے بڑھ کر ہوتی ہے۔''[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول:إني صائم، إذا شتم، حديث: 1904، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1151 واللفظ له. عبادات ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہیں اور وہی ان کی جزا دینے والا ہے۔ مگر روزے کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا گیا ہے کہ یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اس ارشادِ گرامی کا پس منظر یہ ہے کہ نماز، حج، صدقہ، اللہ کی طرف یکسو ہونا، اعتکاف، دعا اور قربانی وغیرہ جتنی بھی عبادات ہیں، ان کے ذریعے سے مشرک لوگ اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن مشرکین کی تاریخ میں کبھی نہیں سنا گیا کہ انھوں نے روزے کے ذریعے سے اپنے کسی معبود کا تقرب حاصل کیا ہو۔ روزہ ایک ایسی منفرد عبادت ہے جو صرف اور صرف شرعی حوالوں ہی سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''روزہ میرے لیے ہے'' یعنی اس کے ذریعے سے کسی نے میرے ساتھ شرک نہیں کیا، نہ اس کے ذریعے سے کسی غیر کی عبادت کی گئی ہے، لہٰذا اس خصوصیت کی بنا ہی پر میں اس کی جزا دوں گا اور خود دوں گا، نہ کہ کوئی مقرب فرشتہ یا کوئی اور۔ جامع الأصول: 9/454. (مؤلف) یہ بات محلِ نظر ہے، ہندو مشرکین کے ہاں روزے کا تصور ہے اور قدیم سے چلا آرہا ہے جسے وہ بُرت کا نام دیتے ہیں۔ حدیث کا مطلب محقق علمائے کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ دوسرے اعمال کی جزا اور اجر کا اجمالاً علم انسان کو ہے جبکہ روزے کے متعلق اجمالاً علم بھی انسان کو نہیں، سارے کا سارا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ دوسرا مطلب، جو زیادہ راجح ہے، یہ ہے کہ دوسرے اعمال وعبادات میں ریا کا دخل ممکن ہے جبکہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں ریا کا کوئی دخل نہیں، اس لیے کہ دیگر اعمال کے برعکس اس کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے۔ دیکھیے منة المنعم شرح صحيح مسلم، تحت حديث: 1151 (عبدالولی)

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، هُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلْفَةُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»

”ابن آدم کے تمام اعمال اس کے لیے ہیں مگر روزہ، وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) قسم ہے اس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے ہاتھ میں ہے، روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔“ [1]

جناب محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی ﷺ سے اور آپ ﷺ رب تعالیٰ سے روایت کرتے تھے: ”ہر عمل کا بدلہ ہے، مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہے۔“ [2]

روزہ صنفی جذبات کو کمزور کرنے میں مدد دیتا ہے: عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں علقمہ اور اسود کے ساتھ تھا، ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے، انھوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے جبکہ ہم نوجوان تھے اور کچھ میسر نہ تھا، یعنی گھر بسانے کی کوئی شکل نہ تھی، چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ، فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو، وہ شادی کر لے، بلاشبہ اس سے نظر نیچی اور عصمت محفوظ رہتی ہے، اور جسے ہمت نہ ہو، وہ روزے رکھے، یہ اس کے جذبات کو توڑ دیں گے۔“ [3]

ماہ رمضان میں عمل کی فضیلت

رمضان قرآن کا مہینہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب مايذكر في المسك، حديث: 5927، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1151.
[2] صحيح البخاري، التوحيد، باب ذكر النبي ﷺ وروايته عن ربه، حديث: 7538. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث: 5066، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجدمؤنة، واشتغال من عجز عن المؤن بالصوم، حديث: 1400.

کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں۔'' [1]

اللہ عزوجل نے اپنی یہ عظیم کتاب اپنے عظیم نبی ﷺ پر ماہ رمضان میں لیلۃ القدر میں نازل فرمائی۔ جو لوگوں کے دلوں کے لیے ہدایت، حق و باطل میں امتیاز، راہ خیر کا نشان اور گمراہی سے انتباہ ہے۔

جنت کے دروازے کھلنے کا مہینہ: رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش جنوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ، تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَحِيمِ، وَتُغَلُّ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ، لِلّٰهِ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ»

''تمھارے پاس رمضان آیا ہے۔ یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے۔ اللہ نے اس میں تم پر روزے فرض کیے ہیں۔ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اس میں ایک رات رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ جو اس کی خیر سے محروم ہوا، وہ بہت بڑی خیر سے محروم ہوا۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ»

''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔'' [3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا رَمَضَانُ قَدْ جَاءَكُمْ تُفَتَّحُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُغَلَّقُ فِيهِ أَبْوَابُ النَّارِ، وَتُسَلْسَلُ فِيهِ الشَّيَاطِينُ»

[1] البقرة 2:185. [2] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، حديث: 2108، ومسند أحمد: 230/2 و385. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حديث: 3277، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل شهر رمضان، حديث: 1079.

''یہ رمضان تمھارے پاس آ گیا ہے، اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور اس مہینے میں شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔'' [1]

جناب عرفجہ کہتے ہیں کہ ہم عتبہ بن فرقد کی عیادت کے لیے ان کے پاس گئے۔ ہمارے درمیان ماہ رمضان کا ذکر چھڑ گیا۔ انھوں نے پوچھا: کس کی بات کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: ماہ رمضان کی۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

«تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ النَّارِ، وَتُغَلُّ فِيهِ الشَّيَاطِينُ، وَيُنَادِي مُنَادٍ كُلَّ لَيْلَةٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! هَلُمَّ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ! أَقْصِرْ»

''اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ آگ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو طوق پہنا دیے جاتے ہیں۔ اور ہر رات ایک منادی کرنے والا اعلان کرتا ہے: اے خیر کے تلاش کرنے والے! آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! باز آ جا۔'' [2]

رمضان گناہوں کی معافی کا مہینہ ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جس نے ایمان کی بنیاد پر رمضان کے روزے رکھے اور اجر و ثواب کی نیت رکھی، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' [3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ»

''پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان کے درمیان ہونے

[1] [صحيح] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على الزهري فيه، حديث: 2105، ومسند أحمد: 236/3.
[2] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، حديث: 2109، ومسند أحمد: 411/5. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، حديث: 38و2014، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760. حدیث میں وارد إیماناً واحتساباً (ایمان اور اجر وثواب کی نیت سے روزے رکھنے) کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پر ایمان اور اس کی تصدیق کی بنا پر روزے رکھے، خوش دلی سے رکھے اور ثواب کا امیدوار ہو کسی طرح انھیں ناپسند نہ کرنے والا ہو۔ نہ انھیں دشوار گردانے، نہ ان دنوں کو زیادہ طویل سمجھے۔ (شرح السنة: 218/6).

والے گناہوں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ وہ کبائر سے بچے۔‘‘ [1]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ، فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً، قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا نَزَلَ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَّا كُنَّا نَسْمَعُهُ قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، قُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ. قُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: آمِينَ»

’’منبر کے پاس آ جاؤ‘‘ ہم حاضر ہو گئے۔ جب آپ نے اس کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ دوسری پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ تیسری پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ جب آپ نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہم نے آپ سے ایسی چیز سنی ہے جو اس سے پہلے نہیں سنی، فرمایا: ’’جبرئیل علیہ السلام نے میرے پاس آ کر کہا تھا: دوری ہو اس کے لیے جس نے رمضان پایا اور پھر اس کی مغفرت نہ ہو۔ تو میں نے کہا: آمین۔ جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو اس نے کہا: دوری ہو اس کے لیے جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور پھر وہ آپ کے لیے درود نہ پڑھے۔ میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو اس نے کہا: دوری ہو اس کے لیے جس نے اپنے ماں باپ کو یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا۔ میں نے کہا: آمین۔‘‘ [2]

جو شخص توحید و رسالت کی شہادت دے، فرض نمازوں کی پابندی کرے، زکاۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے، وہ صدیقین اور شہداء میں شمار ہو گا: حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک شخص نبی علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فرمایئے کہ اگر میں اللہ کے ایک ہونے اور آپ کے

[1] صحیح مسلم، الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن ما اجتنبت الكبائر، حديث: 233، ومسند أحمد: 400/2. اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ اگر بندہ کبیرہ گناہوں سے دور رہنے والا ہو تو اللہ اس کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اہل السنہ کا یہی مذہب ہے۔ اور کبیرہ گناہوں کی تلافی توبہ سے ہوتی ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل اور خاص دستگیری فرما دے۔ (تحفة الأحوذي: 535/1) [2] [صحيح] المستدرك للحاكم: 154,153/4.

رسول اللہ ہونے کی گواہی دوں، پانچ نمازیں پڑھوں، زکاۃ دوں، رمضان کے روزے رکھوں اور اس کا قیام کروں تو میں کن لوگوں میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ”صدیق اور شہید لوگوں میں!“ [1]

سخاوت اور تلاوت سبھی ایام میں مستحب ہیں مگر رمضان میں ان کی پُر زور تاکید ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر امور خیر میں خرچ کرنے والے تھے۔ اور رمضان میں جب آپ سے جبریل علیہ السلام کی ملاقات ہوتی تو آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ اور رمضان میں آپ سے جبریل علیہ السلام کی ملاقات ہر رات ہوتی تھی، حتی کہ رمضان نکل جاتا تھا، نبی علیہ السلام انھیں قرآن سناتے تھے۔ جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں آندھی سے بھی زیادہ تیز ہو جاتے تھے۔ [2]

روزہ افطار کرانے کا اجر: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا»

”جو شخص کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے گا، افطار کرانے والے کو روزے دار کے برابر اجر ملے گا اور روزے دار کے اجر میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ ہو گی۔“ [3]

آخری عشرے میں عملِ خیر میں بہت زیادہ کوشش کی ترغیب: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو نبی ﷺ اپنی کمر کس لیتے، رات کو قیام کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں جس قدر مشقت سے عبادت کرتے تھے، اس قدر مشقت دوسرے دنوں کی عبادت میں نہیں اٹھاتے تھے۔ [5]

[1] [صحیح] صحیح ابن حبان (الموارد)، حدیث: 19، نیز دیکھیے: صحیح الترغیب والترهیب، حدیث: 1003. [2] صحیح البخاري، الصوم، باب أجود ماكان النبيﷺ يكون في رمضان، حديث: 1902 وصحيح مسلم، الفضائل، باب جوده ﷺ، حديث: 2308. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في فضل من فطر صائمًا، حديث: 807. [4] صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان، حديث: 2024، وصحيح مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174، حدیث کے الفاظ شَدَّ مِئْزَرَهُ (آپ اپنی کمر کس لیتے/ چادر کس لیتے) اس میں یہ کنایہ بھی ہے کہ اس دوران میں آپ اپنے اہل سے علیحدہ رہتے تھے۔ اور یہ مفہوم بھی ہے کہ آپ عبادت میں کمر بستہ رہتے تھے اور کسی طرح کی سستی کو پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ (النهاية في غريب الحديث: 47/1، مادة: أزر.) [5] صحيح مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174، وجامع الترمذي، الصوم، باب منه، حديث: 796.

روزے بتدریج فرض ہوئے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز تین مراحل میں فرض ہوئی ہے اور اسی طرح روزے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین دن اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ ﴾

''تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔'' [1]

یہ ایک مرحلہ تھا، پھر یہ حکم ربانی آگیا:

تو جو روزے رکھنا چاہتا، رکھ لیتا اور جو روزے چھوڑنا اور ہر دن مسکین کو کھانا کھلانا چاہتا تو یہ اسے کفایت کر جاتا۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔'' [2]

چنانچہ روزے ان لوگوں کے لیے لازم ہو گئے جو اس مہینے میں حاضر (مقیم) ہوں۔ اور مسافر کے ذمے یہ رہا کہ قضا دے۔ اور جو بہت بوڑھے ہوں، روزہ رکھنے کے قابل نہ ہوں، ان کے ذمے رہا کہ کھانا کھلائیں۔ [3]

روزے کی شرطیں: (1) مسلمان ہونا: کافر کا روزہ صحیح نہیں۔ (2) عقل مند ہونا: کوئی شخص پاگل ہو تو اس کا روزہ بھی صحیح نہیں۔ (3) رات کو نیت کرنا: فرض روزے کے لیے رات ہی کو نیت کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوتا۔ (4) کوئی مانع نہ ہو: مثلاً حیض اور نفاس والی عورت کا روزہ صحیح نہیں۔ (5) روزہ پورے وقت پر محیط ہونا

(1) البقرة 2 :184,183. (2) البقرة 2 :185. (3) [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 507.

چاہیے: یعنی صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

"تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ جاگ جائے، نابالغ بچے سے حتی کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے حتی کہ عقل مند ہو جائے۔" [1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟» قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: «فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا»

"کیا یہ بات نہیں کہ عورت جب خاص ایام کے مرحلے میں ہوتی ہے تو نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے؟" عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: "یہ اس کے دین کی کمی میں سے ہے۔" [2]

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ»

"جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی تو اس کا کوئی روزہ نہیں۔" [3]

ایک عادل آدمی بھی چاند دیکھ لے تو رمضان کا روزہ واجب ہو جاتا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ چاند دیکھنے لگے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔ تو آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ [4]

یا شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں تو روزہ رکھنا واجب ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، یا یوں کہا کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أويصيب حدًا، حديث:4403، ومسند أحمد:100/6.
[2] صحيح البخاري، الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث:304، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بنقص الطاعات.........، حديث: 79.
[3] [حسن] سنن أبي داود، الصيام، باب النية في الصوم، حديث:2454، و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء لاصيام لمن لم يعزم من الليل، حديث:730.
[4] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، حديث:2342، و سنن الدارقطني:156/2.

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمُ الشَّهْرُ، فَعُدُّوا ثَلَاثِينَ»

”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو، اگر مہینہ (چاند) تم سے اوجھل ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔“ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا اور فرمایا:

«لَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ، وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ»

”چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور اسی طرح جب تک دیکھ نہ لو چھوڑو نہیں، اگر مہینہ (چاند) تم سے اوجھل ہوجائے تو اس کے لیے اندازہ لگالو (حساب کرلو)۔“ [2]

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے لیے رخصت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایسے بوڑھے مرد اور عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت بھی رکھتی ہوں، انھیں اجازت دی گئی ہے کہ اگر چاہیں تو چھوڑ دیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، اور ان پر قضا نہیں ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ حکم آیا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط﴾

”پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔“ [3]

تاہم ایسے بوڑھے مرد اور عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں جب انھیں خوف لاحق ہوجائے، ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ افطار کریں اور روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ [4]

اس حکم میں، جس کا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا ہے، صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تائید دیگر صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حاملہ عورت کو کوئی اندیشہ ہو یا دودھ پلانے والی کو رمضان میں اپنے بچے کی صحت کے بارے میں کوئی فکر ہو تو یہ افطار کرسکتی ہیں اور یہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ ان پر روزے کی قضا نہیں ہے۔ [5]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ: (إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا)، حديث: 1909، وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال......، حديث: 1081. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ: (إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا)، حديث: 1906، وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال......، حديث: 1080. [3] البقرة 2:185. [4] [صحيح] تفسير الطبري، البقرة 184:2، حديث: 2260، وابن الجارود، حديث: 381. [5] [صحيح] تفسير الطبري، البقرة 184:2، حديث: 2265.

ان سے مزید مروی ہے کہ انھوں نے اپنی ایک ام ولد کو دیکھا جو حاملہ تھی یا بچے کو دودھ پلاتی تھی، اس سے فرمایا: تیری مثال اس شخص جیسی ہے جو روزے کی طاقت نہیں رکھتا، تجھے چاہیے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کر، تجھ پر کوئی قضا نہیں ہے۔ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایسی عورت جو حمل سے ہو اور اسے اپنے بچے پر نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے روزے کا کیا حکم ہے تو انھوں نے فرمایا: وہ روزہ افطار کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو ایک مد گندم دے دیا کرے۔ [2]

تفسیر طبری (جامع البیان) اور دارقطنی میں بھی ان کے یہ فتوے آئے ہیں کہ ایسی عورتیں روزہ چھوڑ سکتی ہیں، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، ان پر کوئی قضا نہیں۔ [3]

اسی طرح جناب سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط﴾ [4] کی تفسیر میں مروی ہے کہ بڑی عمر کا آدمی جو روزے رکھتا رہا ہو لیکن اب بہت بوڑھا اور عاجز ہو گیا ہو، اس پر اور حاملہ پر روزہ نہیں ہے۔ یہ ہر روزے کے بدلے ایک مد گندم دیا کریں حتی کہ رمضان گزر جائے۔ [5]

انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسواروں نے ہم پر حملہ کر دیا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أُدْنُ فَكُلْ» فَقُلْتُ: إِنِّي صَائِمٌ، فَقَالَ: «أُدْنُ أُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّومِ أَوِ الصِّيَامِ: إِنَّ اللهَ تَعَالٰى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ [الصَّوْمَ وَ] شَطْرَ الصَّلَاةِ، وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوِ الصِّيَامَ» وَاللهِ! لَقَدْ قَالَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ كِلَيْهِمَا أَوْ إِحْدَاهُمَا، فَيَا لَهْفَ نَفْسِي! أَنْ لَّا أَكُونَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ النَّبِيِّ ﷺ»

”نزدیک آؤ، اور کھاؤ۔“ میں نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”قریب آ جاؤ، میں تمھیں روزے کے متعلق بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مسافر پر روزہ اور آدھی نماز، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی خاتون پر سے روزہ معاف کر دیا ہے۔“ قسم اللہ کی! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں باتیں، یا ان میں سے ایک ارشاد فرمائی ہے۔ افسوس! میں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے کھانے سے کچھ کھانا کیوں نہ کھایا!“ [6]

[1] [صحيح] تفسير الطبري، حديث: 2266، و سنن الدارقطني: 2/206. [2] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 4/230. [3] [حسن] سنن الدار قطني: 2/206، وتفسير الطبري، حديث: 2267. [4] البقرة 2:184. [5] [حسن] تفسير الطبري، حديث: 2270. [6] [حسن] سنن أبي داود، الصيام، باب اختيار الفطر، حديث: 2408، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في الرخصة في الإفطار للحبلٰى والمرضع، حديث: 715.

ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو دوسرے شہروں پر بھی ان کی موافقت لازم ہے: اس بارے میں صریح احادیث وارد ہیں کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھا جائے اور چاند دیکھ کر افطار کیا جائے جیسا کہ پہلے اس کے ذکر میں ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث بیان ہو چکی ہیں۔ اور یہ پوری امت سے خطاب عام ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں میں سے جو شخص کہیں بھی کسی مقام پر چاند دیکھ لے تو یہ شہادت سب کے لیے کافی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ رؤیت سب کے لیے ہے۔ جناب کریب سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ان کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام کی طرف بھیجا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں شام پہنچا اور وہاں ام الفضل کا جو کام تھا، اسے پورا کیا۔ ابھی میں شام ہی میں تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا، اور یہ جمعے کی رات تھی جب چاند دیکھا گیا۔ پھر میں مہینے کے آخر میں مدینہ واپس آیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے حال احوال پوچھا اور چاند کا معلوم کیا کہ تم نے کب دیکھا تھا۔ میں نے بتایا کہ ہم نے اسے جمعے کی رات کو دیکھا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا تم نے خود دیکھا تھا، میں نے کہا: جی ہاں، میرے علاوہ اور لوگوں نے بھی دیکھا تھا، انھوں نے روزہ رکھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رکھا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا۔ اور ہم اسی کے حساب سے روزے رکھیں گے حتی کہ تیس پورے ہو جائیں، یا (اس سے پہلے) چاند نظر آ جائے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیکھنے اور روزہ رکھنے کو کافی نہیں سمجھتے؟ فرمایا: نہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔[1]

محدث البانی رحمہ اللہ نے (تمام المنة، ص:398 میں) سابقہ حدیث اور اس روایت میں بہت عمدہ تطبیق دی ہے۔ کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے اپنے علاقے میں چاند دیکھا ہو، پھر اسے رمضان کے دوران میں اطلاع ملے کہ دوسرے شہر والوں نے ان سے پہلے چاند دیکھ لیا ہے، تو اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ اپنے شہر والوں کے ساتھ (جہاں مقیم ہے) روزے جاری رکھے حتی کہ تیس روزے پورے کیے جائیں، یا انھیں انتیس کو چاند نظر آ جائے۔ اس طرح اشکال کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا عموم بھی برقرار رہتا ہے، اور اس کا اطلاق ہر اس فرد پر ہوتا ہے جسے چاند نظر آنے کی خبر مل جائے، خواہ کسی شہر اور کسی بھی ملک میں نظر آئے، قطع نظر اس سے کہ ان شہروں میں کس قدر فاصلہ یا مسافت ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، الصیام، باب بیان أن لکل بلد رؤیتھم......، حدیث: 1087. [2] فتاوی لابن تیمیة: 107/25. یہ فتویٰ جمہور علماء کے مسلک کے موافق ہے جو اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے جبکہ برصغیر کے بہت سے محققین اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے اپنے مطلع کا لحاظ کرتے ہیں۔ (عبدالولی)

فرض روزے کے لیے فجر سے پہلے نیت کرنا لازم ہے: ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ»

''جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کا عزم نہ کیا ہو، اس کا کوئی روزہ نہیں۔''[1]

نفلی روزے کے لیے زوال سے پہلے تک نیت کی جا سکتی ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

«هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟» ''کیا تمھارے پاس کچھ ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ» ''سو بیشک تب تو میں روزے دار ہوں۔''

اسی طرح آپ ایک اور موقع پر تشریف لائے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں حَیس بطور ہدیہ بھیجا گیا ہے، آپ نے فرمایا:

«أَرِينِيهِ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا» ''مجھے دکھاؤ، میں نے تو روزے کی حالت میں صبح کر لی تھی۔''

چنانچہ آپ نے اسے تناول فرما لیا۔[2]

وہ امور جن سے روزہ باطل ہو جاتا ہے

جان بوجھ کر کھانا پینا: جان بوجھ کر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، مگر بھول کر ایسا ہو جائے تو معاف ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»

''جب کوئی شخص بھولے چوکے کچھ کھا پی لے، اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے، یہ تو اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔''[3]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصيام، باب النية في الصوم، حديث:2454، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء لاصيام لمن لم يعزم من الليل، حديث: 730. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال......، حديث:1154. «فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ» اسی وقت سے إنشاءِ صَوم (روزہ شروع کرنے) میں صریح نہیں ہے۔ جبکہ «فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا» سے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی تائید ہی ہو رہی ہے اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث عام اور صریح ہے۔ نفلی روزے کے استثنا کے لیے بھی واضح صریح حدیث ہونی چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ ہر قسم کے روزے کے لیے نیت طلوعِ فجر سے پہلے ہونی چاہیے۔ (عبدالولی)

[3] صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم إذا أكل أوشرب ناسيًا، حديث: 1933، وصحيح مسلم، الصيام، باب أكل »

جان بوجھ کر جماع کرنا: جانے بوجھے جماع کرنے سے بلاخلاف روزہ باطل ہو جاتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا:

«يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكْتُ، قَالَ: «مَا لَكَ؟» قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَكَثَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - وَالْعَرَقُ: الْمِكْتَلُ - قَالَ: «أَيْنَ السَّائِلُ؟» فَقَالَ: أَنَا، قَالَ: «خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ»، فَقَالَ الرَّجُلُ: عَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَوَاللهِ! مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا - يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ»

''اے اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' اس نے کہا: میں نے اپنی اہلیہ سے ہم بستری کر لی جبکہ میں روزے سے تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو کوئی گردن ایسی پاتا ہے کہ اسے آزاد کر دے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اتنی طاقت ہے کہ تو دو مہینے متواتر روزے رکھ سکے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اتنی ہمت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے؟'' وہ بولا: نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ نبی ﷺ کے پاس ٹھہرا رہا، ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ آپ کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا، اس میں کھجوریں تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''سائل کہاں ہے؟'' اس نے کہا: میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ لو اور صدقہ کر دو۔'' وہ کہنے لگا: کیا اپنے سے زیادہ محتاجوں پر، اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ان دو پتھریلے محلوں کے درمیان میرے گھر والوں سے بڑھ کر اور کوئی گھر فقیر نہیں ہے۔ یہ بات سن کر نبی ﷺ کو ہنسی آ گئی حتی کہ آپ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: ''اسے اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دے۔'' [1]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا:

◄ الناسي وشربه وجماعه لا يفطر، حديث: 1155. [1] صحيح البخاري، الصوم، باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيءٌ فتصدق عليه فلْيُكفِّر، حديث: 1936، وصحيح مسلم، الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان على الصائم...... حديث: 1111.

«وَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ» ''اور اس کے بدلے ایک دن روزہ رکھ۔'' [1]

جان بوجھ کر قے کرنا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ ذَرَعَهُ قَيْءٌ وَّهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَإِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ»

''جو روزے دار ہو، اسے زور سے قے آ جائے تو اس پر قضا نہیں، اگر جان بوجھ کر خود قے کرے تو قضا دے۔'' [2]

روزوں میں وصال کرنا حرام ہے: یعنی دو یا تین دن کا مسلسل روزہ رکھنا اور افطار نہ کرنا حرام ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر شفقت فرماتے ہوئے انھیں روزوں میں وصال کرنے سے منع فرمایا تو لوگوں نے کہا: آپ تو وصال کرتے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي»

''میں تمھاری طرح نہیں ہوں، مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔'' [3]

انزال منی: انزالِ منی سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسا بالعموم شہوانی جذبات کے زیر اثر ہوتا ہے، اور یہ اچھل کر نکلتی ہے، خواہ بیوی سے کھیل کود کے ذریعے سے ہو، مشت زنی سے ہو یا فکر اور نظر سے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ، وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ - مَرَّتَيْنِ - وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ. يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، اَلصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا»

''روزہ ڈھال ہے، روزے دار کو شہوانی باتیں نہیں کرنی چاہییں، نہ کوئی اور جہالت کی بات کرنی چاہیے۔ اگر کوئی اس سے لڑنے کی کوشش کرے یا گالی گلوچ پر اتر آئے تو چاہیے کہ وہ اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ دو بار کہے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! روزے دار

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب كفارة من أتى أهله في رمضان، حديث: 2393، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في كفارة من أفطر يومًا من رمضان، حديث: 1671. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم ليستقي عامدًا، حديث: 2380، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الصائم يقيء، حديث: 1676. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال، حديث: 1964، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1105.

کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) آدمی اپنا کھانا، پینا اور شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اور ایک نیکی کا عوض دس گنا ہے۔'' [1]

دوسری روایت میں ہے:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللهُ: إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ الطَّعَامَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ الشَّرَابَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ لَذَّتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ زَوْجَتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ»

''ابن آدم کے سب عمل اس کے لیے (واضح) ہیں، ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سوائے روزے کے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ میرے لیے اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے، میرے لیے اپنی ہر لذت سے دستبردار ہوتا ہے، اپنی بیوی کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔'' روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی روزہ افطار کرنے کے وقت اور دوسری خوشی تب ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔'' [2]

اس حدیث شریف کے یہ الفاظ کہ ''روزے دار اپنی شہوت (جذبات) کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔'' سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ اس جملے کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے والا جہاں لذت کام ودہن سے پرہیز کرتا ہے وہیں جسم وجنس کے مطالبوں کو بھی خیر باد کہہ دیتا ہے اور دوران روزہ میں لذت وشہوت کے کام نہیں کرتا اور شہوت سے مراد شرم گاہ کی شہوت ہے اور اس کا مطلب منی کا انزال ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو، تو جب منی کا انزال ہوجائے تو اس کا روزہ باطل ہوجاتا ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے۔ مگر وہ اپنے جذبات پر پوری طرح قابو رکھنے والے تھے۔ [3]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب فضل الصوم، حديث: 1894، وصحيح مسلم، الصيام، باب حفظ اللسان للصائم، حديث: 1151. [2] [صحيح] صحيح ابن خزيمة، حديث: 1897. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب المباشرة، حديث: 1927، وصحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن القبلة في الصوم ليست محرمة على من لم تحرك شهوته، حديث: 1106.

اور ایک دوسری روایت میں ہے: تم میں سے کون ہے جو اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے جس طرح رسول اللہ ﷺ قابو رکھتے تھے۔[1]

اور اس روایت سے یہ استدلال کرنا کہ روزے دار شوہر کے لیے بوسہ لینا یا ساتھ لیٹ جانا جائز ہے تو اس کے نتیجے میں اگر انزال منی ہو تب بھی روزہ باطل نہ ہوگا، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ نص میں بوسہ اور ساتھ لیٹ جانے کی اجازت سے آگے شرمگاہ کی شہوت ولذت کا حرام ہونا واضح ہے۔

حدیث میں وارد لفظ ''أَرَب'' اور ''إِرْب'' یعنی ہمزہ پر زبر اور زیر دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معنی حاجت نفس ہیں۔ تاہم ''أَرَب'' ہمزہ پر زبر ہو تو اس کا معنی عضو بھی ہے۔[2]

امام مازری رحمہ اللہ المعلم بفوائد مسلم (34,33/2:) میں لکھتے ہیں: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ نبی علیہ السلام صرف بوسے کی حد تک رہتے تھے، ان میں کامل خود اعتمادی تھی کہ وہ اس حد سے آگے نہیں جائیں گے۔ اس کے برعکس دیگر افرادِ امت میں سے کوئی شخص اس قدر اعتماد کا دعوی نہیں کر سکتا، لہٰذا چاہیے کہ بوسہ لینے والے کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ اگر اس کے اس عمل سے یہ نتیجہ مرتب ہو کہ اسے انزال ہو جائے گا، تو یہ اس کے لیے حرام ہوگا۔ کیونکہ انزال جو کسی تکلف اور عمد سے ہو، روزے دار کے لیے بہر حال حرام ہے۔ حتی کہ ودی یا مذی نکل آنے کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ قضا دے تو جو ان امور سے قضا واجب کہتے ہیں، ان کے نزدیک بوسے سے بھی دور رہنا واجب ہے۔ اور جو قضا مستحب سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک بوسہ نہ لینا مستحب ہوگا۔ اور اگر کسی کے لیے ایسی کوئی صورت واقع نہیں ہوتی، اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ ممنوع عمل کا ذریعہ اور سبب بھی منع ہوتا ہے، پس اس جانب سے ممانعت لازم ٹھہرے گی۔

ایسے تمام آثار جن سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ انزال کے باعث روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ان کی دلالت غیر مسلم ہے، مثلاً:

1. حکیم بن عقال سے مروی ہے کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جب میں روزے سے ہوں تو مجھ پر میری بیوی کے وجود سے کیا حرام ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: اس کی شرم گاہ۔[3]
2. جناب مسروق کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ روزے دار مرد کے لیے اس کی بیوی کی

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن القبلة في الصوم ليست محرمة على من لم تحرك شهوته، حديث: 1106. [2] معالم السنن للخطابي: 98/2. [3] [صحيح] شرح معاني الآثار للطحاوي: 95/2، والسلسلة الصحيحة، حديث: 221.

ذات سے کیا حلال ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: سب کچھ، سوائے جماع کے۔ [1]

ان دونوں آثار سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی اور اس کے بدن سے تمتع کر سکتا ہے بشرطیکہ جماع کی حد تک نہ پہنچے۔ اور یہ سوال بھی بڑا واضح ہے کہ مرد کے لیے اپنی بیوی کے وجود سے کیا حلال ہے اور کیا حرام۔ یہاں یہ بات نہیں پوچھی گئی کہ آدمی اپنی ذات سے کہاں تک جا سکتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔ [2]

جناب عکرمہ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک اعرابی آیا اور (بحالت روزہ) بیوی سے تعلقات کی حدود پوچھیں تو آپ نے اسے بوسہ لینے، ساتھ لیٹ جانے اور ہاتھ رکھ لینے کی رخصت دی، بشرطیکہ اس سے تجاوز نہ کرے۔ [3]

ان دونوں آثار میں بوسہ لینے اور ساتھ لیٹنے کی حد تک کا جواز ہے۔ اگر اس سے آگے پیش قدمی کی جائے اور انزال ہو جائے تو یہ معاملہ مباح کی حد سے نکل کر صریحًا حرام ہو جاتا ہے۔ اور روزے دار کے لیے انزال حرام ہے تو اگر جان بوجھ کر یہ کام کرتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ جابر بن زید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے رمضان میں اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور جذبات کی شدت کے تحت اسے انزال ہو گیا، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ [4]

اس اثر سے جو چیز نمایاں ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر محض دیکھنے ہی سے انزال ہو جاتا ہے، اس نے عمدًا یہ کام نہیں کیا تو اس کا روزہ صحیح ہے اور اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔ جو عمدًا انزال کرے، اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے ذمے قضا ہے، جماع والا کفارہ نہیں ہے، کیونکہ کفارہ صرف جماع کی صورت میں ثابت ہے۔ اور انزال منی کو جماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جیسے کہ مذی یا ودی روزے کو فاسد نہیں کرتی کیونکہ ان کے نکلنے میں کسی طرح کی لذت نہیں اور نہ یہ زور سے اچھل کر نکلتی ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب «إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب والسنة» (جزء الصوم) ملاحظہ فرمائی جائے تا کہ آپ ان اقوال سے آگاہ ہو سکیں جو اس بارے میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ پر ہمارے جوابات بھی واضح ہو جائیں گے۔ [5]

---

[1] [صحيح] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 8439، و السلسلة الصحيحة، حديث: 221. [2] [صحيح] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 8415. [3] المصنف لابن أبي شيبة: 62/3، والسلسلة الصحيحة، حديث: 221. [4] [حسن] صحيح البخاري، معلقًا، الصوم، باب المباشرة للصائم، حديث: 1927 [5] یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کسی حدیث میں وجودِ شہوت یا انزالِ منی کو مفسدِ صوم نہیں قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں صرف جماع کو مفسدِ صوم قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ قول کہ ››

روزہ جلدی افطار کرنا چاہیے: سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»

''لوگ خیر میں رہیں گے جب تک کہ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔'' [1]

کس چیز سے افطار کرنا مستحب ہے؟ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز (مغرب) سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کیا کرتے تھے، تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو چند عدد خشک کھجوریں کھا لیتے تھے، یہ بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیا کرتے تھے۔ [2]

سحری تاخیر سے کھانا مستحب ہے: سحری کھانے کا عمل صبح صادق سے ذرا پہلے مکمل ہونا چاہیے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کی، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، راوی نے پوچھا: آپ کی اذان اور سحری میں کتنا فرق تھا؟ کہا: تقریباً پچاس آیات پڑھنے کا۔ [3]

روزے کی قضا کے احکام ومسائل

شرعی عذر کی بنا پر چھوڑے جانے والے روزے کی قضا ضروری ہے: جس نے شرعی عذر، یعنی سفر، مرض اور حیض وغیرہ سے روزہ چھوڑا ہو، اس پر واجب ہے کہ اس کی قضا دے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾

''پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے۔'' [4]

»» انزال منی بغیر جماع کے مفسد صوم نہیں، الگ بات ہے اور روزے دار کا اپنی بیوی سے مباشرت (بوس وکنار) کرنا دوسری چیز ہے۔ جو لوگ شدید الشہوہ ہوں اور اپنے آپ پر کنٹرول نہ کرسکنے والے ہوں، ان کے لیے ایسی مباشرت سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ البتہ جماع کے بغیر انزال منی سے روزے کا ٹوٹنا محل نظر ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے تمام المنة، ص: 418، والسلسلة الصحيحة، حديث: 219-221 کے تحت، امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں اور امام ابن حزم نے المحلی: 175/6 میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ بغیر جماع کے انزال منی سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تاہم یہ عمل بذات خود کیسا ہے، اس میں تفصیل ہے۔ (عبدالولی) [1] صحيح البخاري، الصوم، باب تعجيل الإفطار، حديث: 1957، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر، حديث: 1098. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب مايفطر عليه، حديث: 2356، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء مايستحب عليه الإفطار، حديث: 696. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب قدر كم بين السحور و صلاة الفجر؟ حديث: 1921، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه، واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر، حديث: 1097. [4] البقرة 2:184.

حضرت معاذہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ہم عورتیں اپنے مخصوص ایام کی نمازوں کی قضا دیں؟ تو انھوں نے کہا: کیا تو حروری فرقے (خوارج) سے ہے؟ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہ ایام آتے تھے مگر ہمیں ان (نمازوں) کی قضا دینے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ میں یوں ہے کہ ہمیں یہ صورت حال پیش آتی تھی تو ہمیں روزوں کی قضا دینے کا حکم دیا جاتا تھا مگر نمازوں کی قضا دینے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔[1]

حَروری فرقہ ایک خارجی فرقہ ہے جس کی نسبت حروراء کی طرف ہوتی ہے۔ حروراء دراصل کوفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ خارجی لوگوں کا پہلا اجتماع یہیں ہوا تھا تو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے استفسار کا مفہوم یہ ہے کہ خارجی لوگ حائضہ عورتوں پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا دینا لازم قرار دیتے تھے، ان کا یہ عمل حدیث نبوی اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ» ”اگر چاہو تو رکھ لو اور چاہو تو چھوڑ دو۔“[2]

مجاہد کے لیے سفر جہاد میں روزہ چھوڑنا افضل ہے: اگر مسافر، سفر جہاد میں ہو اور اسے اپنے ہلاک ہونے یا قتال میں کمزوری کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑنا عین مطلوب ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مکہ کی طرف سفر کیا، ہم روزے سے تھے، ہم نے ایک منزل پر پڑاؤ کیا، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ قَدْ دَنَوْتُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ»، فَكَانَتْ رُخْصَةً، فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ أَفْطَرَ، ثُمَّ نَزَلْنَا مَنْزِلًا آخَرَ، فَقَالَ: «إِنَّكُمْ مُّصَبِّحُو عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ، فَأَفْطِرُوا» وَكَانَتْ عَزْمَةً، فَأَفْطَرْنَا، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا نَصُومُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ، فِي السَّفَرِ»

---

[1] صحيح البخاري، الحيض، باب لا تقضي الحائض الصلاة، حديث: 321، وصحيح مسلم، الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، حديث: 335. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب الصوم في السفر والإفطار، حديث: 1943، وصحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث: 1121.

''تم اپنے دشمن کے قریب آ گئے ہو، تمھارا روزہ چھوڑنا تمھارے لیے زیادہ تقویت کا باعث ہے۔'' یہ بات ہمارے لیے ایک رخصت تھی، ہم میں سے کچھ نے روزہ رکھا، کچھ نے افطار کیا، پھر ہم ایک دوسرے پڑاؤ پر اترے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا صبح کو دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے، اور روزہ نہ رکھنا تمھارے لیے زیادہ تقویت کا موجب ہے، لہٰذا روزہ چھوڑ دو۔'' آپ کا یہ فرمان ہمارے لیے عزیمت (وجوب) کا تھا، اس لیے ہم نے روزہ چھوڑ دیا، پھر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اس کے بعد بھی ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سفر میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔''[1]

روزوں کی فوری قضا دینا واجب نہیں بلکہ اس میں وسعت ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھ سے رمضان کے روزے رہ جاتے تھے اور میں شعبان کے علاوہ کسی اور وقت ان کی قضا نہ دے پاتی تھی۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ رمضان کی قضا دینے میں تاخیر جائز ہے، خواہ عذر کی بنا پر ہو یا بلا عذر۔[3] تاہم خیال رہے کہ اس بارے میں جلدی کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ عمل خیر میں جلدی کرنے اور ٹال مٹول سے بچنے کے عمومی دلائل کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد عالی ہے:

﴿ وَسَارِعُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ ''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو۔''[4]

اور فرمایا: ﴿ أُو۟لَـٰٓئِكَ يُسَـٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَهُمْ لَهَا سَـٰبِقُونَ ۝ ﴾

''یہی لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔''[5]

اسی طرح قضا دینے میں تسلسل بھی ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ ﴾ ''دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔''[6]

متفرق ایام میں یہ گنتی پوری کر لی جائے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

امام ابو داود رحمہ اللہ کی کتاب ''المسائل'' (ص:95) میں آیا ہے، کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا۔ اس وقت ان سے رمضان کے روزوں کی قضا کے متعلق پوچھا گیا تھا، انھوں نے فرمایا: چاہے تو متفرق ایام میں دے یا مسلسل طور پر۔'' اور جس نے دیر کر دی حتی کہ دوسرا رمضان شروع ہو گیا، تب بھی اس کے ذمے انھی ایام کی

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب أجر المفطر في السفر إذا تولى العمل، حديث: 1120، وسنن أبي داود، الصيام، باب التاجر يفطر، حديث: 2406. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب متى يقضى قضاء رمضان؟ حديث: 1950، وصحيح مسلم، الصيام، باب جواز تأخير قضاء رمضان مالم يجئ رمضان آخر......، حديث: 1146. [3] فتح الباري: 4/191. [4] آل عمران 3:133. [5] المؤمنون 23:61. [6] البقرة 2:185.

قضا ہے، خواہ یہ تاخیر اس کی تقصیر سے ہوئی ہو یا بلا تقصیر، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ اس میں سوائے قضا دینے کے اور کچھ نہیں۔ اور ان دنوں سے زیادہ کی قضا اپنے ذمے لازم کرنا شریعت میں اضافہ ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو شریعت نے نہیں کہی اور آیت کریمہ کو اس کے ظاہر مفہوم سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ آیت کریمہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ قضا دینی واجب ہے۔ اس میں وسعت ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ نہ قضا کے لیے کوئی آخری وقت متعین کیا گیا ہے۔

جس کے ذمے روزوں کی قضا ہو اس کے لیے نفلی روزے رکھنا جائز ہے: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ﴾

’’پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔‘‘ [1]

یہ آیت دلیل ہے کہ قضائے رمضان میں وسعت ہے۔ جو مسلمان نفلی روزے رکھنا چاہے، مثلاً: عرفہ، عاشورہ یا ایام بیض وغیرہ کے روزے، جبکہ اس کے ذمے فرضی روزوں کی قضا بھی ہو، تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔ علمائے احناف اور شافعیہ یہی کہتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح آئی ہے۔ البتہ نیک عمل اور واجب کی قضا دینے میں جلدی کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اور جو روزے اس کے ذمے قرض ہیں، ان کی ادائیگی پہلے کرنا اولیٰ ہے۔

جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی یہ روزے رکھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

’’جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔‘‘ [2]

ایسا شخص جو روزے رکھ سکتا ہو نہ قضا دے سکتا ہو، فدیہ دے: بہت بوڑھا جو روزے رکھ سکتا ہو نہ قضا دے سکتا ہو، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے جناب عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت پڑھتے سنا:

---

[1] البقرة 2:185. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1952، وصحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت، حديث: 1147. محققین کے نزدیک یہ نذر روزوں کے بارے میں ہے کہ اگر کسی نے روزوں کی نذر مانی ہو، پھر اس کی وفات ہو جائے تو ولی اس کی طرف سے نذر کے روزوں کی قضا دے۔ یہی بات عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ امام احمد، ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شیخ البانی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔ دیکھیے: أحكام الجنائز للألباني، ص: 215 والموسوعة الفقهية الميسرة لحسين بن عودة: 330/3. (عبدالولی)

﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾

"اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔"[1]
انھوں نے کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بڑی عمر کے بوڑھے مرد اور عورتیں ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو ان کے لیے یہی ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔[2]

نفلی روزوں کا بیان

وہ روزے جو مستحب ہیں

شوال کے چھ روزے: جناب عمر بن ثابت خزرجی، ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے، اس نے گویا زندگی بھر روزے رکھے۔"[3]

وبل الغمام :1/520 میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ چھ روزے ماہ شوال میں ہونے چاہئیں، خواہ اس کے شروع میں ہوں یا درمیان میں یا آخر میں۔ ایسی کوئی شرط نہیں کہ یہ رمضان سے بالکل متصل ہوں، سوائے عید کے دن کے، اگرچہ بہتر یہی ہے۔ کیونکہ الفاظ حدیث اتباع (رمضان کے بعد) کا مفہوم سبھی صورتوں کو شامل ہے۔ اور بلا فصل متصل روزے رکھنے کی صورت میں عید کا دن شامل نہیں ہے کیونکہ عید کے دن کا روزہ کسی طرح جائز نہیں۔ اور یہ سمجھنا کہ مذکورہ اجر اسے ہی ملے گا جو یہ روزے شوال کے شروع میں رکھے تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شوال کے آخر میں بھی روزے رکھ لے تو اس نے یہ (حسب الفاظ نبوی) رمضان کے بعد شوال ہی میں رکھے ہیں، اور مطالبہ بھی یہی ہے۔"

ذوالحجہ کے نو روزے: ہنیدہ بن خالد رضی اللہ عنہ اپنی بیوی سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی سے روایت کرتی

---

[1] البقرة 184:2. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا ...... ﴾، حديث: 4505. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال اتباعًا لرمضان، حديث: 1164، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم ستة أيام من شوال، حديث: 2433.

ہیں: رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے نو، عاشورۂ محرم کا اور ہر مہینے تین دن، نیز ہر مہینے کی پہلی سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔[1]

محرم کے روزے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ»

''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔ اور فرضوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔''[2]

شعبان کے روزے: جناب ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: آپ اس طرح روزے رکھا کرتے تھے کہ ہم سمجھتے کہ اب نہیں چھوڑیں گے، پھر آپ چھوڑے رکھتے اور ہم کہتے کہ اب نہیں رکھیں گے۔ اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ شعبان سے بڑھ کر کسی اور مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہوں۔ آپ چند دنوں کے علاوہ گویا سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔[3]

سوموار اور جمعرات کا روزہ: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ سوموار اور جمعرات کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔[4]

ایام بیض کے روزے: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثٌ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ، فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ»

''ہر مہینے تین روزے اور رمضان سے رمضان تک، یہ زمانے بھر (زندگی بھر) کے روزے ہیں۔''[5]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب في صوم العشر، حديث: 2437. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث: 1163، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم المحرم، حديث: 2429. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان واستحباب أن لا يخلي شهر من صوم، حديث: 1156. [4] [صحيح] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم الاثنين والخميس، حديث: 745، ومسند أحمد: 6/80و89و106. [5] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر......، حديث: 1162، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم الدهر تطوعا، حديث: 2425، وسنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على أبي عثمان في حديث أبي هريرة في صيام ثلاثة أيام من كل شهر، حديث: 2410. مستحب ہے کہ مہینے کے تین روزے ایام بیض کے ہوں، نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ» ''اے ابوذر! جب تم مہینے کے تین دن کے روزے رکھو تو 13، 14 اور 15 تاریخ کے روزے رکھو۔'' (جامع الترمذي، حديث: 761) (عبدالولی)

ایام بیض: ہر قمری مہینے کی وہ راتیں جو سفید، یعنی چاندنی راتیں ہوتی ہیں، ان کے دن ایام بیض کہلاتے ہیں۔ اور وہ ہر قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ ہے۔

نفلی روزہ ایک دن رکھنا اور ایک دن افطار کرنا افضل ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، شَطْرُ الدَّهْرِ، صُمْ يَوْمًا وَّأَفْطِرْ يَوْمًا»

"داود علیہ السلام کے روزوں سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں، آدھی زندگی کے روزے، لہٰذا تم ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔"[1]

یوم عرفہ اور عاشوراء کے روزے کی فضیلت: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ»

"یوم عرفہ کے روزے کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ اپنے سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا۔ اور یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ پچھلے سال (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا۔"[2]

مکروہ روزے

صوم دہر: یعنی ہمیشہ لگاتار روزے رکھنا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں اطلاع ملی کہ میں مسلسل روزے رکھتا ہوں اور رات بھر نماز پڑھتا رہتا ہوں۔ مجھے آپ نے بلوایا، یا میں خود آپ سے ملا۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ وَلَا تُفْطِرُ وَتُصَلِّي؟ فَصُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَظًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ وَأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَظًّا»

"(یہ) مجھے کیا خبر ملی ہے کہ تم روزے ہی رکھے جاتے ہو، افطار نہیں کرتے اور نماز ہی پڑھتے رہتے ہو؟

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم داود عليه السلام، حديث: 1980، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرربه، أوفوّت به حقا......، حديث: 1159. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، حديث: 1162.

روزہ رکھو بھی اور افطار بھی کرو۔ قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ تمھاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمھاری جان کا اور گھر والوں کا تم پر حق ہے۔“

میں نے عرض کیا: میں بلاشبہ اس کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«فَصُمْ صِيَامَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» ”تم داود علیہ السلام کا روزہ اختیار کرو۔“

میں نے دریافت کیا: وہ کیسے؟ فرمایا: «كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا ، وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى»

”وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت بھاگنے والے نہ تھے۔“

میں نے کہا: میرے لیے اس (نہ بھاگنے کی خصلت) کا کون ضامن ہے؟ اے اللہ کے نبی! پھر نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ»

”جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا، اس نے کوئی روزہ نہیں رکھا (یہ آپ نے تین بار فرمایا۔)“ [1]

صرف جمعے کے دن کا روزہ: محمد بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے جمعے کے دن کے روزے سے منع کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ابو عاصم کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے کہا: یعنی اکیلا جمعے کے دن کا روزہ۔ [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ»

”تم میں سے کوئی شخص (محض) جمعے کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر اس طرح کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھے۔“ [3]

ہفتے کے دن کا روزہ: صماء بنت بسر سلمی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب حقِّ الأهل في الصوم، حديث: 1977، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرربه أوفوت به حقا، أولم يفطر العيدين والتشريق، وبيان تفضيل صوم يوم وإفطار يوم، حديث: 1159.

[2] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الجمعة، وإذا أصبح صائما يوم الجمعة فعليه أن يفطر، حديث: 1984، وصحيح مسلم، الصيام، باب كراهة إفراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته، حديث: 1143. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الجمعة وإذا أصبح صائما يوم الجمعة فعليه أن يفطر، حديث: 1985، وصحيح مسلم، الصيام، باب كراهية إفراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته، حديث: 1144.

«لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ وَإِنْ لَّمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ»

''ہفتے کے دن کا روزہ مت رکھو، سوائے اس کے جو تم پر فرض کیا گیا ہے، اگر اس دن کسی کو صرف انگور کا چھلکا ملے یا کسی درخت کی کوئی شاخ میسر آئے تو اسے ہی چبا لے۔''[1]

جن دنوں کا روزہ حرام ہے

عید کے دن کا روزہ: قزعہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سنی جو مجھے بہت بھلی معلوم ہوئی، میں نے ان سے پوچھا: کیا یہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہے؟ تو انھوں نے کہا: کیا میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت ایسی بات کہوں گا جو میں نے نہیں سنی؟ میں نے آپ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَصْلُحُ الصِّيَامُ فِي يَوْمَيْنِ: يَوْمِ الْأَضْحٰى، وَيَوْمِ الْفِطْرِ مِنْ رَّمَضَانَ»

''دو دن ایسے ہیں کہ ان میں روزہ رکھنا درست نہیں، عید الاضحیٰ کے دن اور رمضان کے بعد عید الفطر کے دن۔''[2]

ایام تشریق (13,12,11 ذوالحجہ کے دن) کے روزے: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے فرزند اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں (کعب بن مالک رضی اللہ عنہ) اور اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کو تشریق کے دنوں میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: ''جنت میں مومن کے علاوہ اور کوئی داخل نہیں ہوگا اور منیٰ کے دن کھانے پینے کے دن ہیں۔''[3]

منیٰ کے دنوں سے مراد یہی یوم النحر (قربانی کا پہلا دن) اور اس کے بعد تشریق کے دن ہیں، یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ۔

حج تمتع والا قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے، سوائے اس

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب النهي أن يخص يوم السبت بصوم، حديث:2421، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم السبت، حديث:744. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الفطر، حديث:1991، وصحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم يومي العيدين، حديث:827 بعد الحديث: 1138 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق، و بيان أنها أيام أكل و شرب و ذكر الله عزوجل، حديث:1142.

شخص کے جو قربانی نہ کر سکتا ہو۔ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جو شخص حج میں تمتع کرے اور قربانی (کی استطاعت) نہ پائے تو یوم عرفہ تک روزہ رکھ لے۔ اگر نہ رکھ سکا ہو تو منیٰ کے دنوں میں رکھ لے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [2]

شک کے دن کا روزہ رکھنا: جناب صلہ سے روایت ہے کہ ہم عمار رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ان کے پاس بکری کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا، انھوں نے کہا: کھاؤ، تو ایک آدمی ایک طرف ہو گیا اور بولا کہ میں روزے سے ہوں۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا، اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ [3]

رمضان کے استقبالی روزے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا، فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ»

''تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے ہرگز روزہ نہ رکھے، مگر اس صورت میں کہ کوئی اس دن کا روزہ رکھا کرتا ہو تو رکھ لے۔'' [4]

اعتکاف

اعتکاف کے مسنون ہونے کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ﴾

''اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے ہم بستری نہ کرو۔'' [5]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف کیا کرتے تھے حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، پھر آپ کی ازواج اعتکاف کرنے لگیں۔ [6]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث: 1997، 1998. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث: 1999. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب كراهية صوم يوم الشك، حديث: 2334، و جامع الترمذي، الصوم، باب ما جاء في كراهية صوم يوم الشك، حديث: 686. [4] صحيح البخاري، الصوم، باب لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين، حديث: 1914، و صحيح مسلم، الصيام، باب لا تقدموا رمضان بصوم يوم ولا يومين، حديث: 1082. [5] البقرة 2:187. [6] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر، »

مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں کسی بھی وقت اعتکاف کیا جا سکتا ہے: جناب ابو وائل سے منقول ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: (یہ کیا بات ہے کہ) آپ کے اور ابو موسیٰ کے گھروں کے درمیان (مسجد کوفہ میں) اعتکاف ہو رہا ہے؟ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اعتکاف صرف تین مساجد میں ہے۔'' عبداللہ نے کہا: ممکن ہے آپ بھول رہے ہوں اور انھیں صحیح بات یاد ہو، یا کہا: شاید آپ کو بھول چوک ہو رہی ہو اور ان کا عمل درست ہو۔[1]

اس کی سند شرط بخاری کے مطابق ہے اور بعض سلف نے اس پر عمل کیا ہے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق (حدیث: 8019) میں جناب عطاء سے بسند صحیح مروی ہے کہ ''مسجد مکہ اور مسجد مدینہ کے علاوہ کہیں اعتکاف نہیں۔'' اسی طرح ابن مسیب سے منقول ہے کہ اعتکاف کسی نبی ہی کی مسجد میں ہو سکتا ہے۔[2] اور مسجد نبی سے مراد تین مساجد ہیں، یعنی بیت اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس۔[3]

رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ایک تاکیدی عمل ہے: رمضان بالخصوص آخری عشرے میں اعتکاف کی بڑی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ کچھ ہی پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان ہوا ہے۔

رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آخری عشرہ شروع ہو جاتا تھا تو نبی ﷺ اپنی کمر کس لیتے تھے، راتوں کو جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔[4]

جن راتوں میں لیلۃ القدر ہونے کا غالب گمان ہو ان میں قیام کرنا مزید تاکیدی مستحب ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جس نے ایمان اور اجر و ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کر لیا، اس کے پچھلے گناہ معاف کر

[1] [صحیح] السنن الکبرٰی للبیھقي: 316/4، وسیر أعلام النبلاء للذھبي: 81/15. [2] المصنف لابن أبي شیبة: 338/2، والمصنف لعبد الرزاق، حدیث: 8008. [3] اعتکاف مسجد ہی میں مسنون ہے، سورۂ بقرہ کی آیت: 187 اس کی دلیل ہے، تاہم کامل اعتکاف اور زیادہ ثواب والا اعتکاف وہی ہے جو تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) میں سے کسی ایک میں ہو اور بشرط صحت حدیثِ حذیفہ کا یہی مطلب ہے، حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس حدیث کو بعض محققین نے سفیان بن عیینہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ أعلم. (عبدالولی) [4] صحیح البخاري، فضل لیلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان، حدیث: 2024، وصحیح مسلم، الاعتکاف، باب اعتکاف العشر الأواخر من رمضان، حدیث: 1171.

دیے جاتے ہیں۔“ [1]

لیلۃ القدر کی دعا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:
اے اللہ کے رسول! اگر مجھے لیلۃ القدر کا علم ہو جائے تو میں کیا دعا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: تم یہ کہنا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ عَفُوٌّ [كَرِيمٌ] تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»

”اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، بہت کرم کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا ہے، لہٰذا مجھے بھی معاف فرما دے۔“ [2]

معتکف کے لیے مقام اعتکاف سے بلا ضرورت باہر نکلنا ممنوع ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایام اعتکاف میں) مسجد میں ہوتے ہوئے اپنا سر میری طرف جھکا دیتے تھے اور میں کنگھی کر دیتی تھی۔ آپ صرف کسی حاجت ہی کی وجہ سے گھر میں آتے تھے۔ [3]

مسلم، الاعتکاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174. [1] صحيح البخاري، الإيمان، باب قيام ليلة القدر من الإيمان، حديث: 35، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الدعوات، باب في فضل سؤال العافية والمعافاة، حديث: 3513، وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافية، حديث: 3850. [3] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب لا يدخل البيت إلا لحاجة، حديث: 2029، وصحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله و طهارة سؤرها......، حديث: 297.

زکاۃ کے احکام ومسائل

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط
(التوبة103:9)

احکام زکاۃ

دین میں زکاۃ کی اہمیت: زکاۃ ایک شرعی فریضہ اور دین اسلام کا بنیادی رکن ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''[1]

زکاۃ کی فضیلت اور اس کی ترغیب: اس عبادت کا نام (زکاۃ) ہی بجائے خود اس کی فضیلت کی دلیل ہے، اس طرح کہ زکاۃ کے لفظی معنی ہی پاکیزگی اور بڑھوتری کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے جس کے ذریعے سے آپ انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[2]

انسان غنی ہو یا فقیر، زکاۃ اسے نفسیاتی طور پر پاک کرنے کے علاوہ اس کا مال بڑھانے کا باعث اور فلاح کی ضمانت ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○﴾

''اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔''[3]

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث:8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام، حديث: 16 واللفظ له. [2] التوبة 103:9. [3] الروم 39:30.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ، حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

''جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور برابر صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ حلال (اور) پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ کے ساتھ قبول کرتا ہے، پھر اسے دینے والے کے لیے پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنا بچھڑا پالتا ہے، حتی کہ وہ پہاڑ کی طرح بڑھ جائے گا۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ»

''صدقہ مال میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کرتا اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع اور انکساری اختیار کرے تو اللہ اس کا مقام بلند ہی کرتا ہے۔'' [2]

عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر جلدی سے اٹھے، گھر تشریف لے گئے، پھر فوراً ہی واپس آ گئے۔ میں نے عرض کیا، یا کسی اور نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''میں گھر میں صدقے میں آیا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا چھوڑ آیا تھا، مجھے ناگوار گزرا کہ وہ رات بھر میرے ہاں رہے، اس لیے میں نے اسے تقسیم کر دیا۔'' [3]

صدقہ اور زکاۃ ہم معنی الفاظ ہیں: زکاۃ (بمعنی صدقہ) کا لفظ قرآن مجید میں تیس (30) بار آیا ہے۔ اور ستائیس (27) مقامات پر اسے نماز کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ [4]

صرف تین مقامات ایسے ہیں جہاں اس کا مجرد ذکر کیا گیا ہے:

سورۂ اعراف میں: ﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ﴾

''چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' [5]

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب ......، حديث: 1410، وصحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها ، حديث : 1014. [2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث :2588، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في التواضع، حديث:2029. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، حديث:1430. [4] دیکھیے: المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم، ص: 421,420. [5] الأعراف 156:7.

سورۂ روم میں: ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○﴾

''اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔''[1]

سورۂ فصلت (حٰمٓ السجدة) میں: ﴿ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○﴾

''جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔''[2]

خیال رہے کہ ان سبھی تیس مقامات پر زکاۃ سے مراد وہی فرض زکاۃ ہے جس کا نصاب اور مقدار شریعت میں بتا دی گئی ہے۔ اور لفظ الصدقة اور الصدقات قرآن مجید میں تیرہ بار آیا ہے۔ پانچ بار صدقة، سات بار الصدقات اور ایک بار صدقاتکم۔ سورۂ بقرہ میں الصدقة مسکین کو کھانا کھلانے کے معنوں میں بھی آیا ہے، یعنی جب کوئی شخص حالتِ احرام میں اپنا سر منڈا لے تو اس کے ذمے یہ کفارہ ہے: ﴿ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾

''پس اس کے ذمے فدیہ ہے روزے یا صدقہ یا قربانی۔''[3]

* اور صدقہ بمعنی فرض زکاۃ بھی آیا ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[4]

* اور سورۂ توبہ میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○﴾

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔''[5]

اور دیگر تمام مقامات پر فرض اور نفل دونوں معانی میں آیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں غور کرنے سے بھی

[1] الروم 39:30. [2] حٰمٓ السجدة 7:41. [3] البقرة 196:2. [4] التوبة 103:9. [5] التوبة 60:9.

یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مقامات پر اس سے مراد فرض ہے اور کہیں فرض اور نفل دونوں مراد ہیں اور کہیں صرف نفل کے معنوں میں ہے۔ الغرض صدقہ اور زکاۃ بحیثیت نام کے دو الفاظ لیکن باعتبار مفہوم ایک ہی معنی کے حامل ہیں۔

زکاۃ کب فرض ہوئی؟ صدقے کے مفہوم میں زکاۃ آغازِ اسلام ہی میں واجب کر دی گئی تھی لیکن اس کا کوئی نصاب اور مقدار مقرر نہ تھی۔ اور ان معنوں میں مکی دور میں بہت سی آیات نازل ہوئی تھیں، مثلاً: سورۂ نمل کی ابتدائی آیات:

﴿ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾

”﴿ طٰسٓ ﴾، یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں۔ (یہ) ہدایت اور بشارت ہے (ان) مومنوں کے لیے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“[1]

جب مدنی دور شروع ہوا تو ہجرت کے دوسرے سال موجودہ معروف زکاۃ فرض ہوئی جس کے لیے خاص نصاب اور مقدار متعین ہے۔

زکاۃ دینے کی ترغیب اور نہ دینے پر وعید: سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ﴾

”اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہر گز بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق پہنائے جائیں گے۔ اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔“[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انھیں تاکید فرمائی:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ

[1] النمل 27:1-3. [2] آل عمران 3:180.

أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»

''تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے، انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لے کر ان کے فقیروں میں واپس کر دیا جائے گا۔ اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کے قیمتی مال سے دور رہنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، بلاشبہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔''[1]

سورۂ توبہ میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَّا يُؤَدِّي زَكَاتَهُ إِلَّا أُحْمِيَ عَلَيْهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُجْعَلُ صَفَائِحَ، فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبَاهُ وَجَبِينُهُ، حَتّٰى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ لَّا يُؤَدِّي زَكَاتَهَا إِلَّا بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، كَأَوْفَرِ مَا كَانَتْ، تَسْتَنُّ عَلَيْهِ، كُلَّمَا مَضٰى عَلَيْهِ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتّٰى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1395، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حديث: 19، وسنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1584 واللفظ له. [2] التوبة 9:34، 35.

يَوْم كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهَا، إِلَّا بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، كَأَوْفَرِ مَا كَانَتْ، فَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا وَتَنْطِحُهُ بِقُرُونِهَا، لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ، كُلَّمَا مَضٰى عَلَيْهِ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتّٰى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»

''جو خزانے والا اس کی زکاۃ نہ دیتا ہو، اس کا خزانہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس کی چپٹی سلیٹیں بنائی جائیں گی، پھر ان کے ساتھ اس کے پہلو اور ماتھا داغا جائے گا (اور اسے یہ عذاب ہوتا رہے گا) حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں اس دن فیصلہ فرمائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پھر اسے جنت یا جہنم کی طرف راہ دکھائی جائے گی۔ اور جس اونٹوں والے نے ان کی زکاۃ نہیں دی ہوگی، اسے ایک چٹیل میدان میں اوندھا لٹا دیا جائے گا، پھر اس کے اونٹ اسے روندیں گے، اور یہ اونٹ بھی پہلے کی نسبت خوب موٹے تازے اور بھاری ہوں گے، جب ان کی قطار ختم ہو جائے گی تو پھر دوبارہ شروع کر دی جائے گی حتی کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پھر اسے اس کی راہ دکھائی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ اور جو بکریوں والا ان کی زکاۃ نہیں دیتا تو اسے صاف چٹیل میدان میں اوندھا لٹایا جائے گا اور وہ بکریاں آئیں گی جبکہ وہ اس سے زیادہ فربہ ہوں گی جتنی کہ وہ پہلے تھیں، وہ اسے اپنے کھروں سے روندیں گی اور اپنے سینگوں سے ماریں گی، ان میں نہ کوئی مڑے سینگوں والی ہوگی اور نہ بغیر سینگوں والی، جب ان کی پچھلی اس پر سے گزر جائے گی تو پہلی کو پھر اس پر لوٹا دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اس حساب سے جو تم شمار کرتے ہو، پھر اسے اس کی راہ دکھائی جائے گی، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔'' [1]

منکرِ زکاۃ کی سزا: زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن اور اہم دینی فریضہ ہے، جس کی فرضیت پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر کوئی اس کی فرضیت کا انکاری ہو تو وہ اسلام سے خارج ہے اور بطور کافر واجب القتل ہے، الا یہ کہ کوئی نو مسلم ہو، اسے احکامِ اسلام کی کما حقہ معرفت نہ ہو، اسے اس کے عذر کی وجہ سے معاف کیا جا سکتا ہے، لیکن کوئی فرضیت زکاۃ

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ، حدیث: 987، ومسند أحمد: 383/2.

کا قائل ہوتے ہوئے زکاۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کا یہ عمل اسے اسلام سے تو خارج نہیں کرے گا، لیکن مجاز حاکم کی ذمہ داری ہے کہ اس سے بزورِ قوت زکاۃ وصول کرے، بلکہ اس کا آدھا مال بھی بطور سزا اور جرمانہ ضبط کر لے۔ جناب بہز بن حکیم اپنے والد سے، وہ بہز کے دادا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فِي كُلِّ إِبِلٍ سَائِمَةٍ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ، لَا يُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا، مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا فَلَهُ أَجْرُهَا، وَمَنْ أَبَى فَإِنَّا آخِذُوهَا، وَشَطْرَ إِبِلِهِ عَزْمَةٌ مِّنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا، لَا يَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْهَا شَيْءٌ»

”ہر چالیس اونٹوں میں، جو چرنے والے ہوں، ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) ہے اور انھیں ان کے حساب سے جدا جدا نہ کیا جائے۔ جو شخص اللہ کی ذات عالی سے اجر و ثواب لینے کی نیت سے دے گا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے۔ اور جو روکے گا تو ہم اس سے زکاۃ بھی وصول کریں گے اور مزید آدھے اونٹ بھی، یہ ہمارے رب تعالیٰ کے واجبات میں سے ایک لازمی حق ہے، آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں سے کچھ بھی حلال نہیں۔“ [1]

اور اگر کسی قوم کے لوگ اس کی فرضیت کے قائل ہونے کے باوجود نہ دیں اور وہ ہٹ دھرم اور زور آور ہوں تو ان سے اس سلسلے میں جنگ ہوگی حتی کہ وہ ادا کرنے لگیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے مگر یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“ [2]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1575، وسنن النسائي، الزكاة، باب عقوبة مانع الزكاة، حديث: 2446 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا الزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾، حديث: 25، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله......، حديث: 22.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے کچھ قبیلے کافر ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ تَعَالٰى»

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتی کہ وہ لا إله إلا الله کہہ دیں۔ تو جس نے لا إله إلا الله کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی، الا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“ [1]

اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا، بلاشبہ زکاۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر انھوں نے بکری کا وہ بچہ بھی روکا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اس پر بھی ان سے جنگ کروں گا، عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم!، اللہ نے ابوبکر کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا، میں بھی اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔

زکاۃ ادا کرنے کی برکات: قحط سے تحفظ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے اور فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ! خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ .... وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا»

”اے جماعتِ مہاجرین! پانچ باتیں ہیں، اگر تم ان میں مبتلا ہو گئے اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم انھیں پاؤ...... اگر لوگوں نے اپنے مالوں کی زکاۃ روکی تو ان کے لیے آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، اگر جانور نہ ہوں تو انھیں بارش (ہی) نہ دی جائے۔“ [2]

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1400,1399 ، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله و يقيموا الصلوة ويؤتوا الزكاة، حديث: 20 واللفظ له. [2] [حسن] سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، حديث: 4019 ، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 106. مکمل حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ”جس قوم میں بدکاری پھیل جائے حتیٰ کہ وہ اسے سر عام کرنے لگیں تو ان میں طاعون پھیل جائے گا اور ایسی ایسی بیماریاں پھوٹ پڑیں گی جو ان سے پہلوں میں (کبھی) نہ آئی ہوں گی اور جس قوم میں ناپ تول کی کمی آ جائے، اس پر قحط مسلط ہو جائے گا، وہ حالات کی سختی سے »

نیکی کے حصول کا بہترین ذریعہ: سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ﴾

''تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک ان چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جنھیں تم پسند کرتے ہو۔'' [1]

زکاۃ دینے والے کے لیے نعم البدل کا وعدہ: سورۂ سبا میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ۝ ﴾

''اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»

''کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ لوگ اس میں صبح کرتے ہوں مگر دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عنایت فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روکنے والے (بخل کرنے والے) کا مال تلف کردے۔'' [3]

اللہ کی رحمت میں داخلہ: سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ﴾

''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور ان کے لیے بھی جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' [4]

خسارے سے تحفظ: ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچا، آپ

» دوچار ہوگی اور اپنے حکام کے ظلم وستم کا نشانہ بنے گی اور اگر کوئی قوم اپنے اموال کی زکاۃ نہ دے گی تو اس کے لیے آسمان سے پانی روک لیا جائے گا۔ اگر جانور نہ ہوں تو بارش بالکل ہی نابود ہو جائے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑیں گے ان پر باہر سے دشمن مسلط کر دیا جائے گا جو ان کی جمع پونجی چھین لے گا۔ اور جب ان کے حکام کتاب اللہ کے ذریعے سے فیصلے نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کردہ احکام سے روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مابین لڑائی ڈال دے گا۔'' [1] آل عمرٰن 3:92۔ [2] سبا 34:39۔

[3] صحیح البخاري، الزکاۃ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۝ ﴾، حدیث: 1442، وصحیح مسلم، الزکاۃ، باب في المنفق والممسك، حدیث: 1010۔ [4] الأعراف 7:156

کعبہ کے سائے میں تھے اور کہہ رہے تھے:

«هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!»، قُلْتُ: مَا شَأْنِي؟ أَيُرٰى فِيَّ شَيْءٌ؟ مَا شَأْنِي؟ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ - فَمَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَسْكُتَ - وَتَغَشَّانِي مَاشَاءَ اللهُ، فَقُلْتُ: مَنْ هُمْ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «اَلْأَكْثَرُونَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا»

''یہی لوگ گھاٹے والے ہیں، اللہ کی قسم! یہی لوگ گھاٹے والے ہیں، اللہ کی قسم!'' میں نے دل میں سوچا میں نے کیا کیا ہے؟ کیا مجھ میں کوئی چیز دکھائی دی ہے؟ (آخر) میں نے کیا کیا ہے؟ (بہرحال) میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ مسلسل یہی جملہ کہے جا رہے تھے، مجھ سے خاموش نہ رہا گیا اور اللہ کی منشا سے مجھ پر ایک کیفیت چھا گئی تھی، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ کون ہیں (جو گھاٹے میں ہیں؟) آپ نے فرمایا: ''یہی جو زیادہ مال والے ہیں، (پھر دست مبارک سے دائیں بائیں اور آگے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:) سوائے اس کے جو یوں کرے اور جو یوں کرے اور یوں کرے ضرورت مندوں کو مال دے۔''[1]

زکاۃ کس پر واجب ہے؟ زکاۃ ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو اور اس نصاب پر ایک سال گزر جائے، سوائے نباتات کے، ان کی زکاۃ اس وقت لازم ہوتی ہے جب انھیں کاٹ لیا جائے اور ان کی مقدار نصاب کو پہنچتی ہو، سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق دے دیا کرو۔''[2]

حیوانات کی زکاۃ

اونٹوں کی زکاۃ اور ان کا نصاب

* اونٹ جب پانچ ہوں تو ان پر ایک بکری زکاۃ ہے اور اس کے بعد ہر پانچ پر ایک بکری ہے اور جب یہ پچیس ہو

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب: كيف كانت يمين النبي ﷺ؟ حديث:6638، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزكاة، حديث:990. [2] الأنعام6:141.

جائیں تو ان پر ایک بنت مَخَاض ہے (ایک سالہ اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو)، یا ایک ابنِ لَبُون، یعنی دو سالہ اونٹ جبکہ وہ تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور چھتیس میں ایک بنت لَبُون ہے (دو سالہ اونٹنی جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو) اور چھیالیس میں ایک حِقَّة ہے (تین سالہ اونٹنی جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو) اور اِکسٹھ میں ایک جَذَعَة ہے (چار سالہ اونٹنی جو پانچویں سال میں پہنچ گئی ہو) اور چھہتر میں دو عدد بنت لبون ہیں۔ اور اکانوے سے ایک سو بیس تک دو حقہ ہیں۔ اور جب ان سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ ہے۔

اونٹوں کا نصاب		واجب الادا زکاۃ
از	تا	
5	9	ایک بکری
10	14	دو بکریاں
15	19	تین بکریاں
20	24	چار بکریاں
25	35	ایک بنت مخاض
36	45	ایک بنت لبون
46	60	ایک حقہ
61	75	ایک جذعہ
76	90	دو بنت لبون
91	120	دو حقہ
121	129	تین بنت لبون
130	139	ایک حقہ اور دو بنت لبون
140	149	دو حقہ اور ایک بنت لبون
150	159	تین حقہ

چار بنت لبون	169	160
تین بنت لبون اور ایک حقہ	179	170
دو بنت لبون اور دو حقہ	189	180
تین حقہ اور ایک بنت لبون	199	190
چار حقہ یا پانچ بنت لبون	209	200

* مندرجہ بالا نصاب کی دلیل: انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بحرین روانہ کیا تو یہ تحریر لکھ دی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ وہ نصاب اور مقدار زکاۃ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمائی ہے اور اللہ نے اس کا اپنے رسول کو حکم دیا ہے۔ مسلمانوں میں سے جس سے اس (تحریر) کے مطابق مطالبہ کیا جائے، وہ یہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ کا مطالبہ ہو، وہ نہ دے۔ چوبیس یا اس سے کم اونٹوں کی زکاۃ بکریوں کی صورت میں ہے۔ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہے۔ جب وہ پچیس ہو جائیں یا پچیس سے پینتیس تک ہوں تو ان پر ایک بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) ہے۔ جب چھتیس ہوں تو پینتالیس تک ان پر ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) ہے اور جب چھیالیس عدد سے ساٹھ تک ہوں تو ان پر ایک حقہ (تین سال سے زائد کی اونٹنی) ہے جو جفتی کے قابل ہو اور جب اکسٹھ سے پچھتر تک ہوں تو ان پر ایک جذعہ (چار سال سے اوپر کی اونٹنی) ہے اور جب چھہتر سے نوے تک ہوں تو ان پر دو بنت لبون ہیں۔ اور جب اکانوے سے ایک سو بیس تک ہوں تو ان میں دو حقہ ہیں جو جفتی کے قابل ہوں اور جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے۔ اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو اس پر کوئی زکاۃ نہیں ہے الا یہ کہ ان کا مالک دینا چاہے۔ اور جب پانچ اونٹ ہوں تو ان پر ایک بکری واجب ہے۔ [1]

گائیوں کا نصاب

گائیں جب تیس (30) کی تعداد میں ہوں تو ان پر ایک عدد ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی کی ادائیگی لازم ہے اور چالیس ہوں تو ان پر دو دانتا، یعنی دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی واجب ہے۔ اسی طرح آگے کا معاملہ ہے۔ درج ذیل جدول ملاحظہ ہو:

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث: 1454.

گائیوں کی مقدار		واجب الادا زکاۃ
از	تا	
30	39	ایک بچھڑا یا بچھڑی ایک سالہ
40	59	ایک عدد دو دانتا بچھڑا یا بچھڑی (دو سالہ)
60	69	ایک سالہ بچھڑا، یا بچھڑی (دو عدد)
70	79	ایک عدد دو دانتا اور ایک عدد ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی
80	89	دو عدد دو دانتے بچھڑے، یا بچھڑیاں
90	99	تین عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں
100	109	ایک عدد دو دانتا اور دو عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں
110	119	دو عدد دو دانتے اور ایک عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں
120	129	تین عدد دو دانتے، یا چار عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں

مذکورہ بالا کی دلیل: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے یمن روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ میں ہر تیس گائیوں پر سال بھر کا ایک بچھڑا، یا بچھڑی (بطور زکاۃ) وصول کروں اور ہر چالیس میں سے دو دانتا (بچھڑا، یا بچھڑی) اور اہلِ کتاب کے بالغ مرد سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا بطورِ جزیہ وصول کروں۔[1]

بکریوں کا نصاب

چالیس بکریاں ہوں تو ان کی زکاۃ ایک بکری ہے، ایک سو بیس بکریوں تک ایک ہی بکری واجب الادا ہو گی مگر جب یہ تعداد ایک سو اکیس ہو جائے تو پھر دو بکریاں لازم ہوں گی۔ دو سو تک یہی شرح رہے گی۔ جب دو سو ایک ہو جائیں تو ان پر تین بکریاں واجب الادا ہوں گی، تین سو تک یہی مقدار زکاۃ ہو گی۔ تین سو ایک ہو جائیں تو ان پر چار بکریاں واجب الادا ہیں، چار سو تک یہی زکاۃ واجب رہے گی، پھر ہر سو پر ایک بکری زکاۃ ہے۔ مزید وضاحت کے لیے یہ نقشہ دیکھیے:

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1576، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة البقر، حديث: 623.

بکریوں کا نصاب زکاۃ		واجب الادا زکاۃ
از		
1	39	زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں، کچھ لازم نہیں
40	120	ایک بکری
121	200	دو بکریاں
201	399	تین بکریاں
400	499	چار بکریاں
500	599	پانچ بکریاں

اسی طرح ہر سو میں ایک بکری واجب ہے۔

متذکرہ بالا نصاب اور شرح کی دلیل: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں بحرین روانہ کیا تو انھیں ایک تحریر لکھ دی جس میں لکھا تھا: ایسی بکریاں جو خود چر کے گھاس وخوراک حاصل کرتی ہوں، ان کی تعداد 40 سے 120 تک ہو تو ان پر بطور زکاۃ ایک بکری واجب الادا ہوگی۔ جب ان کی تعداد 120 سے بڑھ جائے تو 120 سے لے کر 200 تک میں دو بکریاں بطور زکاۃ واجب الادا ہوں گی، جبکہ 201 سے لے کر 399 تک میں تین بکریاں بطور زکاۃ واجب الادا ہوں گی۔ جب تعداد تین سو (300) سے زیادہ ہو جائے (اور سو کا عدد مکمل ہو جائے) تو ہر 100 بکریوں پر ایک بکری زکاۃ دینا لازم ٹھہرے گا، کسی فرد کی خود چرنے والی بکریوں کی تعداد 40 سے ایک عدد بھی کم ہو تو ان پر کوئی صدقہ (زکاۃ) واجب نہیں الا یہ کہ ان بکریوں کا مالک برضا ورغبت خود کچھ دینا چاہے۔ [1]

متفرق والگ الگ ریوڑوں کو اکٹھا، یا مجتمع واختلاط والے ریوڑوں کو الگ الگ کرنے کا معاملہ

ادائے زکاۃ سے بچنے کے لیے جدا جدا ریوڑوں کو اکٹھا کر لینا ناجائز ہے، اسی طرح اکٹھے ریوڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر دینا بھی جائز نہیں۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک تحریر لکھ دی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث: 1454.

مقرر کردہ نصاب اس طرح درج تھا: ''علیحدہ علیحدہ جانوروں کو زکاۃ کے ڈر سے اکٹھا کیا جائے نہ اکٹھے جانوروں کو جدا جدا کیا جائے۔'' [1]

اکٹھے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کی صورت: مثلاً: دو آدمیوں کی بکریاں دو سو ایک ہوں تو ان پر تین بکریاں واجب الادا ہیں۔ اگر وہ ان کو علیحدہ علیحدہ کر لیں تو ہر ایک کو ایک ایک بکری دینی ہو گی۔ (یہ عمل ناجائز ہے۔)

علیحدہ علیحدہ جانوروں کو اکٹھے کرنے کی صورت: مثلاً: تین آدمی ہوں اور ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ہر ایک پر ایک ایک بکری آتی ہے۔ لیکن اگر وہ انھیں اکٹھی کر لیں تو ان پر صرف ایک ہی بکری زکاۃ بنے گی۔ (یہ عمل بھی ناجائز ہے۔)

نصاب سے کم پر زکاۃ ہے نہ کسر پر: گزشتہ صفحات میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نصاب سے کم مال پر زکاۃ لاگو نہیں ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وَقَص (کسر) سے مراد وہ تعداد ہے جو دو مقداروں کے درمیان ہو (مثلاً: بکریوں کے نصاب میں چالیس سے لے کر 120 کے درمیان میں۔)

اس مسئلے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث میں آیا ہے کہ کسروں میں کوئی زکاۃ نہیں۔ [2]

جن چرواہوں کے جانور اکٹھے ہوں، وہ زکاۃ کا حساب آپس میں برابر برابر کر لیں: جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں زکاۃ کا نصاب لکھ دیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ اس میں ہے:

«وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ»

''اور جن کے جانور اکٹھے ہوں، وہ آپس میں برابر برابر (زکاۃ کا حساب) کر لیں۔'' [3]

دو شریکوں کی مثال: دو چرواہے ہیں، ان دونوں کی فی کس بیس بیس بکریاں ہیں تو تحصیلدار زکاۃ ان چالیس میں سے کسی ایک کی ایک بکری لے گا، تو دوسرا اپنے شریک کو اس کی آدھی قیمت ادا کر دے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشترک مال کو ایک آدمی کا مال تصور کر کے زکاۃ لی جائے گی۔ اور یہی حق ہے جیسا کہ

[1] [صحيح] مسند أحمد: 240/5. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب ما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية، حديث: 1451. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب لا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع، حديث: 1450.

دلائل سے ثابت ہے۔

زکاۃ میں ناقابلِ قبول جانور: (1) بہت بوڑھا جس کے دانت گر چکے ہوں۔

(2) کانا، یعنی جس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہو۔

(3) نر، افزائش نسل کے لیے مخصوص بکرا، دنبہ یا سانڈ۔

(4) عیب دار جانور، اس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت والی وہ تحریر ہے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھ کر دی تھی۔ اور اس میں ہے:

«وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ، وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَاشَاءَ الْمُصَّدِّقُ»

”زکاۃ میں کوئی بوڑھا، عیب دار اور (افزائش نسل والا) نر (جفتی کے لیے مخصوص) جانور نہ لیا جائے، سوائے اس کے کہ زکاۃ دینے والا چاہے۔“ [1]

عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوب میں بھی ایسا ہی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

«لَا تُؤْخَذُ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَيْبٍ» ”زکاۃ میں کوئی بوڑھا اور عیب دار جانور قبول نہ کیا جائے۔“ [2]

(5) وہ جانور جو گوشت کے لیے پالا گیا ہو۔

(6) رُبّٰی، یعنی بچے کو جنم دینے والی بکری۔ بقول بعض جو دودھ کے لیے گھر میں بندھی ہو۔

(7) وہ جو قریب الولادت حاملہ ہو۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقے کی بکریاں لائی گئیں، انھوں نے ان میں ایک بھاری جسم والی بکری دیکھی جس کے تھن بڑے بڑے تھے، انھوں نے پوچھا: یہ بکری کیسی ہے؟ کہا گیا کہ یہ صدقے میں آئی ہے۔ فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا کہ گھر والوں نے اسے ہنسی خوشی دے دیا ہو۔ لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالا کرو، مسلمانوں کے عمدہ اور بہترین مال مت لیا کرو، جو ان کا رزق ہو، اس سے گریز ہی کیا کرو۔ [3]

جناب سفیان بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بحیثیت تحصیلدار زکاۃ روانہ کیا تھا۔ وہ لوگوں کے مویشیوں میں میمنوں، یعنی بکریوں کے بچوں کو بھی شمار کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب: لا يؤخذ في الصدقة هرمة ولاذات عوار، ولا تيس الا ما شاء المصدق، حديث: 1455. یعنی اگر نر سانڈ کے بارے میں زکاۃ دینے والے کی مرضی ہو تو پھر لیا جا سکتا ہے۔ [2] [حسن] الموطأ للإمام مالك: 1/238، 239، ومسند احمد: 2/15 واللفظ له. [3] [صحيح] الموطأ للإمام مالك: 1/246، حديث: 28.

بچوں کو بھی شمار کرتے ہیں مگر ان میں سے کچھ قبول نہیں کرتے، ایسا کیوں؟ جب وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھیں لوگوں کے اس سوال سے بھی مطلع کیا۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، ان کے وہ بچے بھی شمار کرو جو چرواہا اٹھائے پھرتا ہے مگر زکاۃ میں قبول نہ کرو، نہ کوئی ایسی بکری جو گوشت یا دودھ کے لیے مخصوص ہو، نہ قریب الولادت حاملہ، نہ افزائش نسل والا بکرا۔ بلکہ جذعہ (ایک سالہ) یا دو دانتا وصول کرو، یہی میمنوں، یعنی بکری کے بچوں اور بڑے عمدہ جانوروں میں سے متوسط ہے۔[1]

سونے چاندی کی زکاۃ

سونے اور چاندی کی زکاۃ کے لیے شرائط: سونے چاندی کی زکاۃ کے لیے دو شرطیں ہیں: نصاب پورا ہونا اور سال گزرنا۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ، يَعْنِي فِي الذَّهَبِ، حَتّٰى تَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ»

''جب تیرے پاس (چاندی کے) دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم (زکاۃ) ہیں اور سونے میں تجھ پر کچھ (واجب) نہیں جب تک کہ بیس دینار نہ ہوں اور جب بیس دینار ہوں اور سال گزر جائے تو ان پر آدھا دینار (زکاۃ) ہے۔''[2]

چاندی کا نصاب اور شرحِ زکاۃ: چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور اس میں سے چالیسواں حصہ، یعنی اڑھائی فیصد زکاۃ ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اوپر مذکور ہوئی۔ اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو بحرین کی طرف روانہ کیا تو انھیں ایک تحریر دی تھی، اس میں درج ہے کہ چاندی[3] میں چالیسواں حصہ ہے۔[4]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1573. [2] چاندی خواہ ڈلی کی صورت میں یا کسی زیور وغیرہ کی شکل میں ہو۔ [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث: 1454. [4] [حسن] الموطأ للإمام مالك: 1/244، حديث: 26.

موجودہ رائج الوقت وزن کے اعتبار سے اس کی تفصیل یہ ہے:

①	1 درہم	=	2.975 گرام
②	5 درہم	=	14.875 گرام
③	10 درہم	=	29.75 گرام
④	20 درہم	=	59.5 گرام
⑤	100 درہم	=	297.5 گرام
⑥	200 درہم	=	595 گرام

سونے کا نصاب اور شرحِ زکاۃ: سونے کا نصاب بیس دینار ہے۔ اس پر بھی چالیسواں حصہ، یعنی اڑھائی فیصد زکاۃ ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں بیان ہوا ہے۔

موجودہ معیار وزن کے اعتبار سے اس کی تفصیل یوں ہے:

①	ایک دینار	=	4.25 گرام
②	پانچ دینار	=	21.25 گرام
③	دس دینار	=	42.5 گرام
④	بیس دینار	=	85 گرام

موجودہ اوزان و مقادیر کے ساتھ تقابل کے لیے مؤلف کی تالیف «إیضاحات العصریة للمقاییس والمکاییل والأوزان الشرعیة» ملاحظہ فرمائیے۔

جواہرات پر کوئی زکاۃ واجب نہیں: موتی، یاقوت، زمرد، الماس، لؤلؤ اور مرجان وغیرہ کے بارے میں ایسی کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی جو ان پر زکاۃ واجب کرتی ہو۔ اور براءۃ اصلیہ معروف فقہی قاعدہ ہے (انسان بنیادی طور پر کسی شرعی ذمہ داری کا اس وقت تک مکلّف نہیں جب تک کہ اس کا حکم ثابت نہ ہو۔)

کیا خواتین کے زیور پر معروف زکاۃ واجب ہے؟ سونے چاندی کے وہ زیور جو خواتین کے زیر استعمال ہوں، ان پر زکاۃ واجب نہیں بلکہ (مناسب مقدار میں) عام صدقہ واجب ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہلِ یمن کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اس کے ساتھ، اس کی بیٹی بھی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو بھاری بھاری کنگن تھے، آپ نے پوچھا:

«أَتُؤَدِّينَ زَكَاةَ هٰذَا؟» قَالَتْ: لَا . قَالَ: «أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟» قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ»

''کیا اس (سونے) کی زکاۃ بھی دیتی ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ

اللہ عزوجل قیامت کے دن تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دے؟'' چنانچہ اس نے انھیں اتارا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا: یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں![1]

جناب عبداللہ بن شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ (ایک بار) رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے، اس وقت میرے ہاتھوں میں چاندی کے دو کنگن تھے، آپ نے دریافت فرمایا:

«مَا هٰذَا يَاعَائِشَةُ؟» فَقُلْتُ: صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ؟» قُلْتُ: لَا، أَوْ مَا شَاءَ اللهُ، قَالَ: «هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ»

''عائشہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: یہ میں نے آپ کی خاطر پہنے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا:

''کیا ان کی زکاۃ دیتی ہو؟'' میں نے کہا: نہیں۔ یا جو اللہ نے چاہا وہ کہا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تجھے آگ (تک پہنچانے) کے لیے کافی ہیں۔''[2]

یہ دونوں احادیث عورتوں کے سونے چاندی کے زیورات پر، جو ان کے زیر استعمال ہوں، زکاۃ واجب ہونے کی دلیل ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ معروف فرضی زکاۃ نہیں جس میں ان کے وزن کا نصاب مقرر اور سال گزرنا شرط ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

کنگن باعتبار وزن پورے نصاب کے نہیں ہوتے۔ رسالت مآب علیہ السلام نے ان سے سال گزرنے کے بارے میں نہیں پوچھا، یہ بھی واضح نہیں کہ ان پر سال گزر چکا تھا یا نہیں۔ بالخصوص ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو واضح ہے کہ آپ ﷺ نے عین اسی موقع پر انھیں دیکھا تھا، ظاہر ہے کہ ان پر ایک سال نہیں گزرا تھا۔

* سونے چاندی پر زکاۃ کے سلسلے کی احادیث ایسے سونے چاندی کے بارے میں ہیں جو بطور مال اور نقدی موجود ہوں۔ لغت اور عرف میں بھی یہی معروف ہے، مطلق سونا چاندی مراد نہیں۔
* زیر استعمال زیور کی مثال اس اونٹ یا گائے کی طرح ہے جو آدمی کے استعمال میں ہو اور کاروبار زندگی کا حصہ ہو، مطلب یہ کہ اس پر زکاۃ عائد نہیں۔
* صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت اس کی قائل ہے کہ زیر استعمال زیور پر زکاۃ نہیں ہے۔

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحُلِيِّ، حديث: 1563، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة الحليّ، حديث: 637. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ماهو؟ وزكاة الحُلِيِّ، حديث: 1565، والمستدرك للحاكم: 390,389/1.

* سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ مستعمل زیور کی زکاۃ یہی ہے کہ کسی ضرورت مند کو عاریتاً دینا پڑے تو دے دے۔

جناب نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹیوں اور لونڈیوں کو زیور پہناتے تھے مگر ان کی زکاۃ نہیں دیتے تھے۔[1]

جناب قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھتیجیوں کی سرپرست تھیں، یعنی محمد بن ابی بکر کی بیٹیوں کی، وہ یتیم تھیں، ان بچیوں کے زیور بھی تھے اور وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) ان کی زکاۃ نہیں دیتی تھیں۔[2]

* تجارتی مال کی زکاۃ: علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ اموالِ تجارت پر زکاۃ کے وجوب کا حکم کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔[3]

اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ ابتدا میں اموالِ تجارت میں زکاۃ کے وجوب کے قائل تھے[4] مگر بعد میں انھوں نے ظاہریہ کی موافقت میں اس سے رجوع کر لیا۔[5] جبکہ جمہور ان کے خلاف ہیں۔[6]

نباتات کی زکاۃ

وہ غذائی اجناس (دانے) جن پر زکاۃ واجب ہے: ابوموسیٰ اشعری اور معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

[1] [صحيح] الموطأ للإمام مالك: 231/1، حديث: 596. [2] [صحيح] الموطأ للإمام مالك: 231/1. اہلِ علم کے اقوال میں سے راجح قول یہی ہے کہ زیورات پر زکاۃ واجب ہے اور وہ معروف زکاۃ ہی ہے، اس لیے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں، جو احادیث میں ذکر شدہ لفظ زکاۃ کو اپنے معروف اصطلاحی معنی سے ہٹائے اور یہ کہنا کہ کنگن باعتبار وزن پورے نصاب کے نہیں ہوتے، محلِ نظر ہے، پورے نصاب کے کنگن بھی ہو سکتے ہیں، نیز اس خاتون کے پاس مزید سونے کی موجودگی کی نفی کہاں آئی ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کا سال کے بارے میں نہ پوچھنے کا دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ عدمِ ذکر ہے اور عدمِ ذکر سے عدم لازم نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ عدمِ ذکر کو ذکرِ عدم بنایا جائے۔ صحیح مرفوع احادیث کی موجودگی میں کسی کا بھی عمل قابلِ اعتنا نہیں۔ (عبدالولی) [3] تمام المنة، ص: 363. [4] نيل الأوطار: 154/4. [5] الدرر البهية في المسائل الفقهية اور اس کی شرح الدراري المضية: 49,48/1، والسيل الجرار: 762/1. [6] اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: المغني لابن قدامة: 4/248-262، ومجموع فتاوىٰ لشيخ الإسلام ابن تيمية: 45/25، وحاشية العدة للأمير صنعاني: 130/3، و بذل المجهود: 21/8 وغیرہ۔ ابوموسیٰ اور معاذ رضی اللہ عنہما سے منقول حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس میں ارسال، انقطاع، تدلیس اور راویوں کا ضعف ہے، لہٰذا قابل اعتبار نہیں، حق یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والے ہر پھل اور کھیتی میں زکاۃ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ علمائے حدیث: 56/7 و 122، وفقه الزكاة للقرضاوي: 355/1، ومرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، الزكاة، حديث: 1228. (عبدالولی)

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«لَا تَأْخُذُوا فِي الصَّدَقَةِ إِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ: الشَّعِيرِ، وَالْحِنْطَةِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ»

”صرف انھی چار اصناف کا صدقہ وصول کرنا: جَو، گندم، کشمش اور کھجور۔“ [1]

غلے کی زکاۃ کا نصاب: غلے کی زکاۃ کا نصاب پانچ وسق ہے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»

”پانچ اونٹوں سے کم (تعداد) پر زکاۃ نہیں اور پانچ اوقیہ (چاندی) سے کم پر زکاۃ نہیں اور پانچ وسق سے کم (غلے) پر (بھی) زکاۃ نہیں۔“ [2]

عربی زبان میں ذود کا لفظ اونٹوں کے اس مجموعے کے لیے بولا جاتا ہے جس کی تعداد تین سے دس تک ہو۔

اوقیہ	=	40 درہم
پانچ اوقیہ	=	دوسو درہم
ایک وسق	=	60 صاع (جو بھر کے ماپا جاتا ہے)
ایک صاع	=	4 مد (بھر کے ماپا جاتا ہے)
ایک مد	=	544 گرام گندم بلحاظ وزن
ایک وسق	=	544x4x60 = 130560 = 130.56 کلوگرام
پانچ وسق	=	5x130.56 = 652.8 کلوگرام

ملاحظہ ہو مؤلف کی تالیف: الإيضاحات العصرية للمقاييس والمكاييل والأوزان الشرعية.

کس کھیتی پہ عشر ہے؟ جو کھیت دریا، نہر یا بارش سے سیراب ہوں، ان کی پیداوار پر عشر (دسواں حصہ) ہے اور جو رہٹ وغیرہ سے سیراب کیے جائیں، ان کی پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے

[1] [حسن] المستدرك للحاكم: 401/1 نیز دیکھیے: إرواء الغليل: 278/3. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الورق، حديث: 1447، و صحيح مسلم، الزكاة، باب: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979.

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَيْمُ الْعُشُورُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ»

"جو کھیتیاں نہروں سے سیراب ہوں یا بارش سے، ان کا (عشر) دسواں حصہ ہے اور جو اونٹ (مشین وغیرہ) کے ذریعے سے سیراب کی جائیں، ان کا بیسواں حصہ ہے۔"[1]

شہد پر زکاۃ ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِي الْعَسَلِ فِي كُلِّ عَشْرَةِ أَزُقٍّ، زِقٌّ» "شہد کی دس مشکوں پر ایک مشک زکاۃ ہے۔"[2]

زکاۃ مقامی فقراء میں تقسیم کی جائے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو کہا:

«إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلٰى أَنْ يَّشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ. فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ»

"تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، لہٰذا جب تم ان کے پاس جاؤ تو انھیں یہ دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں: اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات پر تمھاری اطاعت کر لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ہر دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء میں بانٹا جائے گا، اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، بلاشبہ اس کے اور اللہ کے درمیان پردہ نہیں ہے۔"[3]

---

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب ما فيه العشر أونصف العشر، حديث: 981، ومسند أحمد: 341/3. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة العسل، حديث: 629، والسنن الكبرى للبيهقي: 126/4، وشرح السنة للبغوي: 44/6.

[3] صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء، وترد في الفقراء حيث كانوا، حديث: 1496، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حديث: 19.

ظالم بادشاہ کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَّأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا» . قَالُوا : فَمَا تَأْمُرُنَا يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ : «أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ»

”تم میرے بعد پاؤ گے کہ لوگ اپنے آپ ہی کو ترجیح دیں گے اور بھی منکر (ناجائز) باتیں ہوں گی جنھیں تم عجیب و غریب پاؤ گے۔“ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر آپ ہمیں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”انھیں ان کا حق دیتے رہنا اور اپنے حقوق کا اللہ سے سوال کرنا۔“ [1]

مصارفِ زکاۃ

زکاۃ کے مستحقین اور مصارف آٹھ ہیں: سورۂ توبہ میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ؕ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

”صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہیں اور گردنیں چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو (مسافروں) کے لیے، یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔“ [2]

فقراء: فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمَسْأَلَةُ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ، لِذِي فَقْرٍ مُّدْقِعٍ، أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُّفْظِعٍ، أَوْ لِذِي دَمٍ مُّوجِعٍ»

”تین قسم کے افراد کے علاوہ کسی کو سوال کرنا حلال نہیں: محتاج جو ازحد لاچار ہو، مقروض جو ازحد پریشان ہو، یا کوئی دیت والا ہو کہ (اگر دیت ادا نہ کی گئی تو نتیجہ) المناک ہو۔“ [3]

[1] صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ: (سترون بعدي أمورا تنكرونها)، حديث: 7052، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الأول فالأول، حديث: 1843. [2] التوبة 60:9. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب ما تجوز فيه المسألة، حديث: 1641، ومسند أحمد: 127/3.

عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے انھیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے صدقے کا سوال کیا، تو آپ نے انھیں اپنی نظروں سے خوب جانچا اور انھیں بڑا تندرست و توانا پایا، آپ نے فرمایا: «إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ»

"اگر تم چاہو تو میں تمھیں دیے دیتا ہوں مگر اس میں کسی غنی اور طاقت ور کے لیے جو خود کما سکتا ہو، کوئی حصہ نہیں ہے۔"[1]

مساکین: مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو مگر وہ اس کے لیے ناکافی ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، اِقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ»

"مسکین وہ نہیں جسے ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں، یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو ہاتھ پھیلانے سے بچتا ہے، اگر چاہو تو یہ (آیت)[2] پڑھ کر دیکھ لو۔"[3]

اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

«لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ»

"مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے ہاں چکر لگاتا پھرتا ہو کہ اسے ایک لقمہ لوٹا دے یا دو لقمے۔ یا ایک کھجور لوٹا دے یا دو کھجوریں، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اس قدر نہ ہو جو اسے بے پروا کر دے اور اس کی نسبت خیال بھی نہیں آتا ہو کہ اس پر صدقہ کیا جائے، نہ وہ کھڑا ہو سکے کہ لوگوں سے سوال ہی کر لے۔"[4]

زکاۃ جمع کرنے والے (تحصیلدار): ضروری ہے کہ وہ بنی ہاشم میں سے نہ ہوں، جناب عبدالمطلب بن

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة و حدُّ الغنى، حديث: 1633، ومسند أحمد: 362/5. [2] البقرة 273:2. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾، حديث: 4539، وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذي لا يجد غنى، ولا يفطن لَهُ فيتصدق عليه، حديث: 1039. [4] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾، حديث: 1479، وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذي لا يجد غنى، ولا يفطن له فيتصدق عليه، حديث: 1039.

ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ»

"صدقہ آلِ محمد کے لائق نہیں ہے، یہ لوگوں کے میل (اور آلائشیں) ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

«وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ» "یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد کے لیے حلال نہیں ہے۔" [1]

بسر بن سعید سے روایت ہے کہ ابن سعدی مالکی نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقے کا عامل بنایا، میں اس سے فارغ ہوا اور اسے ان کی خدمت میں پیش کر دیا تو انھوں نے مجھے اس کا عوضانہ دینے کا حکم دیا، میں نے کہا: یہ کام میں نے اللہ کے لیے کیا ہے! انھوں نے فرمایا: جو دیا جائے لے لو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ کام کیا تھا، تو آپ نے مجھے اس کا عوضانہ بھی عطا فرمایا تھا۔ میں نے بھی اس طرح کہا تھا جس طرح تم نے کہا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «إِذَا أُعْطِيتَ شَيْئًا مِّنْ غَيْرِ أَنْ تَسْأَلَ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ»

"جب تجھے بغیر مانگے کچھ دیا جائے تو کھا اور صدقہ کر۔" [2]

مؤلفة القلوب (جن کے دل پر چائے جاتے ہیں): عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال آیا یا قیدی آئے، آپ نے انھیں تقسیم فرما دیا، آپ نے بعض کو نہ دیا، پھر آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ جن کو نہیں ملا وہ ناراض ہیں، آپ نے (خطبہ دیا) اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَوَاللهِ! إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، وَلٰكِنِّي أُعْطِي أَقْوَامًا لِّمَا أَرٰى فِي قُلُوبِهِمْ مِّنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلٰى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِّنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ، فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ»، فَوَاللهِ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ»

"اما بعد! اللہ کی قسم! میں ایک کو دیتا ہوں اور ایک کو چھوڑ دیتا ہوں اور جسے چھوڑ دیتا ہوں، وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں دیتا ہوں۔ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کے متعلق محسوس

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ على الصدقة، حديث: 1072. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب رزق الحكام والعاملين عليها، حديث: 7163، وصحيح مسلم، الزكاة، باب جواز الأخذ بغير سؤال ولا تطلع، حديث: 1045.

کرتا ہوں کہ ان کے دلوں میں بے صبری اور حرص ہے اور دوسروں کو اس چیز کے حوالے کر دیتا ہوں جو ان کے دلوں میں بے پروائی اور خیر کے پیرائے میں اللہ نے رکھی ہے، ان میں ایک عمرو بن تغلب بھی ہے۔" (عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:) اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ آپ نے میرے متعلق جو یہ کلمہ فرمایا ہے، اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ ملیں۔" [1]

جناب عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار کچھ تقسیم فرمایا، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! فلاں کو بھی دیجیے، وہ مومن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَوْ مُسْلِمٌ» "یا مسلمان ہے۔"

میں نے یہ بات تین بار دہرائی۔ اور آپ نے بھی ہر بار یہی فرمایا: "یا مسلمان ہے۔" پھر فرمایا: "میں کسی کو دیتا ہوں، حالانکہ دوسرا (جسے نہیں دیتا) میرے نزدیک اس کی نسبت زیادہ محبوب ہوتا ہے، اسے اس اندیشے کے تحت دیتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ آگ میں نہ ڈال دے۔" [2]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے، جب وہ یمن میں تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا جو ابھی آلودہ اور مٹی ملا تھا، آپ نے اسے چار افراد: اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری جو بنی کلاب میں سے تھا اور زید الخیر طائی جو بنی نبہان میں سے تھا، میں تقسیم فرما دیا۔ کہتے ہیں کہ بعض اہلِ قریش اس پر ناراض ہوئے اور کہنے لگے: نجد کے بڑے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي إِنَّمَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِأَتَأَلَّفَهُمْ» "میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ ان کے دل پرچاؤں۔" [3]

گردنیں چھڑانے کے لیے: گردنیں چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بدوی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ذریعے سے جنت میں داخل فرما دے۔ تو آپ نے فرمایا: "تمھارا خطبہ

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد، حديث: 923، ومسند أحمد: 69/5.
[2] صحيح البخاري، الإيمان، باب إذا لم يكن الإسلام على الحقيقة وكان على الاستسلام أو الخوف من القتل، حديث: 27، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تألف قلب من يخاف على إيمانه لضعفه والنهي عن القطع بالإيمان من غير دليل قاطع، حديث: 150. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا﴾، حديث: 3344، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، حديث: 1064.

اگرچہ بڑا مختصر ہے مگر سوال بڑا عظیم ہے: روحیں آزاد کرو اور گردنیں چھڑایا کرو۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں؟ فرمایا: ''نہیں، روح آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تو خود انفرادی طور پر اسے آزاد کرے اور گردن چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ اسے آزاد کرانے میں اس کی مدد کرے۔''[1]

مقروض: اس سے مراد وہ مقروض ہے جس پر اتنا بھاری قرض ہو کہ اسے وہ ادا نہ کر سکے۔ قبیصہ بن مُخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک بار) میں نے ایک ضمانت لے لی، میں اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: ''ٹھہرو یہاں تک کہ ہمارے پاس کوئی صدقہ آ جائے، ہم تمھارے لیے اس کا کہہ دیں گے (ہم اس میں سے تمھیں کچھ دے دیں گے۔)'' پھر فرمایا: ''اے قبیصہ! سوال کرنا حلال نہیں الا یہ کہ تین افراد میں سے کوئی ایک ہو، ایک وہ آدمی جس نے کوئی ضمانت دی ہو، اسے سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ وہ اسے حاصل کر لے اور پھر رک جائے۔ دوسرا وہ جس پر کوئی آفت آ پڑی ہو اور اس کا سارا مال برباد ہو گیا ہو اسے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ وہ زندگی کی گزران حاصل کر لے۔ اور تیسرا وہ آدمی جسے فاقہ پہنچا ہو۔ اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ اسے فاقہ پہنچا ہے تو اسے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ وہ زندگی کا قوام اور درستی حاصل کر لے۔ ان کے علاوہ سب کے لیے سوال کرنا، اے قبیصہ! حرام ہے، مانگنے والا حرام کھائے گا!''[2]

اللہ کی راہ میں: اس سے مراد مجاہدین کی مدد کرنا یا حج کے مصارف میں تعاون کرنا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ غَارِمٍ، أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا، فَأَهْدَاهَا لِغَنِيٍّ»

''کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں سوائے پانچ بندوں کے لیے: صدقے کا عامل (جمع کرنے والا، تحصیلدار) ہو یا کسی نے صدقے کی چیز اپنے مال سے خریدی ہو، یا مقروض ہو، یا اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہو یا کوئی مسکین ہو کہ اسے اس میں سے صدقہ دیا گیا ہو اور وہ اسے کسی غنی کو ہدیہ دے دے۔''[3]

---

[1] [صحيح] الأدب المفرد للبخاري، حديث: 69، ومسند أحمد: 4/299. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب من تحل له المسألة، حديث: 1044، وسنن أبي داود، الزكاة، باب ماتجوز فيه المسألة، حديث: 1640. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب من تجوزله أخذ الصدقة وهو غني، حديث: 1636، ومسند أحمد: 3/56.

ام معقل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا، ہمارا ایک اونٹ تھا جو میرے شوہر ابو معقل رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں دے دیا، ہمیں بیماری نے آ لیا، ابو معقل فوت ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے، آپ حج سے فارغ ہو گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے پوچھا:

«يَا أُمَّ مَعْقِلٍ! مَا مَنَعَكِ أَنْ تَخْرُجِي مَعَنَا؟» قَالَتْ: لَقَدْ تَهَيَّأْنَا فَهَلَكَ أَبُو مَعْقِلٍ، وَكَانَ لَنَا جَمَلٌ هُوَ الَّذِي نَحُجُّ عَلَيْهِ، فَأَوْصٰى بِهِ أَبُومَعْقِلٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَالَ: «فَهَلَّا خَرَجْتِ عَلَيْهِ؟ فَإِنَّ الْحَجَّ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَأَمَّا إِذْ فَاتَتْكِ هٰذِهِ الْحَجَّةُ مَعَنَا، فَاعْتَمِرِي فِي رَمَضَانَ فَإِنَّهَا كَحَجَّةٍ»، فَكَانَتْ تَقُولُ: اَلْحَجُّ حَجَّةٌ وَّالْعُمْرَةُ عُمْرَةٌ، وَقَدْ قَالَ هٰذَا لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ، مَا أَدْرِي أَلِيَ خَاصَّةً؟

''ام معقل! کیا رکاوٹ تھی کہ تو ہمارے ساتھ حج کے لیے نہیں گئی؟'' میں نے عرض کیا: ہم تیار تھے مگر (میرے شوہر) ابو معقل فوت ہو گئے، ہمارا ایک ہی اونٹ تھا، اس پر ہم سفر حج کر سکتے تھے۔ لیکن ابو معقل نے اسے فی سبیل اللہ دینے کی وصیت کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''تو اس پر کیوں نہ چلی آئی؟ بلاشبہ حج بھی فی سبیل اللہ ہی ہے۔ سو ہمارے ساتھ حج تو تجھ سے رہ گیا ہے، اب رمضان میں عمرہ کر لینا، بلاشبہ یہ حج کی مانند ہے۔'' چنانچہ ام معقل کہا کرتی تھیں: حج حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے تاہم رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہی فرمایا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ کیا یہ میرے لیے خاص ہے؟''[1]

مسافر: مسافر جو اپنے وطن کو واپس جانا چاہتا ہو مگر اس کا خرچ کم پڑ جائے اور اسے اپنی منزل تک پہنچنا دشوار ہو جائے۔

بنی ہاشم اور ان کے موالی کے لیے صدقہ حرام ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے راستے میں کھجور کا ایک دانہ گرا ہوا پایا تو فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ تَكُونَ مِنْ صَدَقَةٍ لَأَكَلْتُهَا» ''اگر یہ صدقے کا نہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا۔''[2]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب العمرة، حديث: 1989، وصحيح ابن خزيمة: 4/73,72. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب يُتَنَزَّه من الشبهات، حديث: 2055، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلىٰ آلِهٖ......، حديث: 1071.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کھجوریں توڑنے کا موسم آتا تو لوگ آپ کے پاس (صدقے کی) کھجوریں لاتے، یہ شخص اپنی کھجوریں لاتا اور وہ اپنی لاتا، حتی کہ آپ کے پاس ایک ڈھیر لگ گیا، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ان کھجوروں سے کھیلنے لگے، ان میں سے کسی نے کھجور کا ایک دانہ اپنے منہ میں ڈال لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اس کے منہ سے کھجور نکال دی اور فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ آلِ محمد صدقہ نہیں کھاتی۔'' [1]

صدقہ کرنے والے کے لیے اپنی صدقہ کی ہوئی چیز دوبارہ خریدنا مکروہ ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو فی سبیل اللہ ایک گھوڑا دیا، اس نے اسے ضائع کر دیا (اور اس کی خدمت نہ کی)، میں نے چاہا کہ اسے خرید لوں، میرا یہی خیال تھا کہ وہ اسے بہت سستا بیچ رہا ہے، میں نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے معلوم کیا، تو آپ نے فرمایا:

«لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ»

''اسے مت خریدو اور اپنے صدقے میں رجوع مت کرو، چاہے وہ تجھے ایک درہم میں دے دے، اپنے صدقے میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں لوٹے۔'' [2]

عورت اپنے شوہر کو زکاۃ دے سکتی ہے: زینب زوجۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، چاہے تمھیں اپنے زیور ہی سے دینا پڑے۔'' وہ کہتی ہیں کہ میں واپس آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: آپ کا ہاتھ بڑا تنگ رہتا ہے (آپ کو مالی وسعت نہیں ہوتی) اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ان کے پاس جائیں اور پوچھ لیں، اگر (آپ کو صدقہ دینا) میرے لیے جائز ہو (تو بہتر) ورنہ میں کسی اور کو دے دوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم خود ہی جاؤ۔ کہتی ہیں کہ میں گئی۔ رسالت مآب ﷺ کے دروازے پر ایک اور عورت کھڑی تھی، اس کی ضرورت بھی میرے جیسی ہی تھی۔ زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بڑے صاحب رعب اور ہیبت والے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ ہماری طرف نکلے، ہم نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور انھیں بتاؤ کہ دروازے پر دو عورتیں کھڑی ہیں اور

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ صدقة التمر عند صرام النخل و هل يترك الصبيُّ فيَمسُّ تمر الصدقة، حديث: 1485، 1485، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله وهم بنو هاشم و بنو المطلب دون غيرهم، حديث: 1069. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب لايحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث: 2623، وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة شراء الإنسان ما تصدق به ممن تصدق عليه، حديث: 1620.

پوچھتی ہیں کہ اگر ہم اپنا صدقہ اپنے شوہروں کو دے دیں یا ان یتیموں پر خرچ کر دیں جو ہماری سرپرستی میں ہیں، تو کیا یہ جائز ہوگا؟ اور رسالت مآب ﷺ کو مت بتانا کہ ہم کون ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس گئے اور پوچھا، تو آپ نے دریافت فرمایا:

«مَنْ هُمَا؟» فَقَالَ: اِمْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّ الزَّيَانِبِ؟» فَقَالَ: اِمْرَأَةُ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَهُمَا أَجْرَانِ: أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ»

''وہ کون ہیں؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تو انصاری عورت ہے اور دوسری زینب ہے، آپ نے پوچھا: ''کونسی زینب؟'' انھوں نے بتایا کہ عبداللہ کی بیوی! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے لیے دو اجر ہیں، ایک رشتہ داری کا اور دوسرا صدقے کا۔''[1]

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر واجب ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو فرض قرار دیا ہے، یعنی کھجور یا جو ایک صاع دیا جائے، ہر مسلمان کی طرف سے، چاہے وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا اور حکم دیا کہ (عید کی) نماز کے لیے جانے سے پہلے پہلے اسے ادا کر دیا جائے۔[2]

صدقۂ فطر کی حکمت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر اس لیے فرض ٹھہرایا کہ اس کے ذریعے سے روزے دار کی لغویات اور نامناسب باتوں کا اثر زائل ہو جائے اور یہ پاکیزگی کا باعث بنے اور مساکین کو کھانا مل جائے۔ تو جس شخص نے اسے نماز سے پہلے ادا کر دیا تو اس کی زکاۃ مقبول ہے اور جس نے اسے نماز کے بعد دیا تو اس کے لیے یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔[3]

صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ صدقۂ فطر لوگوں

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر، حديث: 1466، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج والأولاد و الوالدين ولو كانوا مشركين، حديث: 1000. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلين من التمر والشعير، حديث: 984-986. [3] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، حديث: 1609، وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب صدقة الفطر، حديث: 1827، نیز دیکھیے: الإرواء، حديث: 843.

کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔[1]

صدقۂ فطر مستحقین کو عید سے ایک دو دن پہلے ادا کرنا چاہیے: نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے جمع کرنے والوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے اور وہ لوگ فطر سے ایک دو دن پہلے (ضرورت مندوں کو) پہنچا دیا کرتے تھے۔[2]

صدقۂ فطر کے مصارف: اس کے مصارف وہی ہیں جو فرض زکاۃ کے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسے ان تمام مدوں میں تقسیم کیا جائے جن کا آیت کریمہ میں ذکر ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ اسے مؤلفۃ القلوب اور عاملین پر خرچ نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان اسے خود دینے کا پابند ہے یا وہ شخص جسے وہ اپنا نمائندہ و مجاز بنائے۔[3]

اس لیے کہ سورۂ توبہ کی آیت کریمہ عام ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہیں۔ اور گردنیں چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔''[4]

امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد اور ابن حزم رحمہم اللہ سبھی کا یہی مذہب ہے۔

خمس

خُمس نکالنا واجب ہے: قتال میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالنا واجب

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، حديث: 1503، وصحيح مسلم، الزكاة باب الأمر بإخراج زكاة الفطر قبل الصلاة، حديث: 986. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب صدقة الفطر على الحر والمملوك، حديث: 1511، وسنن أبي داود، الزكاة، باب متى تؤدى، حديث: 1610. [3] صدقۂ فطر کا ایک ہی مصرف ہے اور وہ مساکین ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مساکین کی تخصیص آئی ہے، فرمایا: وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ ''یہ مساکین کی خوراک ہے۔'' (المستدرك للحاكم: 409/1) سورۂ توبہ کی آیت صدقہ صدقاتِ اموال کے بارے میں ہے نہ کہ صدقۃ الفطر کے بارے میں۔ یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، شیخ شوکانی اور امام البانی رحمہم اللہ کا ہے۔ دیکھیے الموسوعة الفقهية لحسين بن عودة: 168/3. (عبدالولی) [4] التوبة 60:9.

ہے جیسا کہ سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

"جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"[1]

کوئی (جاہلیت کا) دفینہ ملے تو اس میں بھی خمس ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ»

"حیوان (سے ہونے والا خون) ضائع ہے۔ کنویں اور معدنی کان (میں گرنے کے باعث ہونے والا خون) ضائع ہے اور (جاہلیت کا) دفینہ ملے تو اس میں پانچواں حصہ ہے۔"[2]

غنیمت اور دفینے کے خمس کا مصرف وہی ہے جو سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت 41 میں بیان فرمادیا گیا ہے۔

[1] الأنفال 8:41. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب في الرِّكاز الخمس، حديث: 1499، وصحيح مسلم، الحدود، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار، حديث: 1710.

حج کے احکام ومسائل

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًاؕ

(آل عمران 3:97)
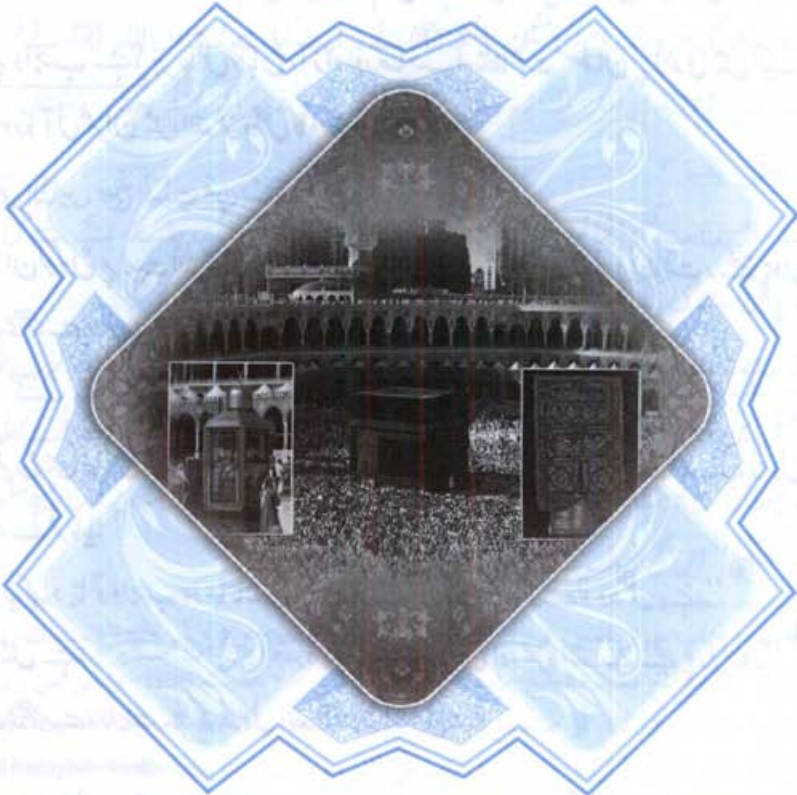
احکامِ حج

حج فرض ہے

حج کی تعریف: لغت میں حج کا مطلب قصد کرنا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا قصد فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' [1]

اور بیت اللہ کا قصد کرنے کے مفہوم میں کوئی ابہام نہیں ہے، یعنی وہ ایک خاص نوعیت کی عبادت ہے۔

حج کس پر واجب ہے؟ ہر عاقل، بالغ، آزاد اور صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج مع عمرہ واجب ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' [2]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ» ''اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔''

یہ سن کر اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور دریافت کیا: کیا ہر سال؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں یہ کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا۔ حج ایک بار ہے اور جو زیادہ کرے تو وہ نفل ہے۔'' [3]

سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔'' [4]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] آل عمرٰن 3:97. [2] آل عمرٰن 3:97. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب فرض الحج، حديث: 1721، وسنن النسائي، مناسك الحج، باب وجوب الحج، حديث: 2621. [4] البقرة 2:196.

«هٰذِهِ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا ، فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهُ ، فَإِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''اس عمرے کا ہم نے (حج کے سفر میں) فائدہ حاصل کیا ہے، چنانچہ جس کے پاس قربانی نہ ہو، وہ پوری طرح حلال ہو جائے۔ بلاشبہ عمرہ قیامت تک کے لیے حج میں شامل ہو چکا ہے۔'' [1]

بچے کا حج صحیح ہے مگر بالغ ہونے پر حج اسلام اس کے ذمے رہے گا: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ کی خدمت میں اپنے بچے کو بلند کیا اور پوچھا کہ کیا اس پر بھی حج ہے؟ تو آپ نے فرمایا: «نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ» ''ہاں! اور اجر تیرے لیے ہے۔'' [2]

سائب بن یزید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میری عمر سات سال تھی، مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کرایا گیا۔ [3]

مسئلہ یہ ہے کہ بچے کا بچپن میں کیا ہوا حج اس کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس پر فرض حج بدستور واجب ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جسے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ ، وَعَنِ الْغُلَامِ حَتّٰى يَحْتَلِمَ ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ»

''تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ جاگ جائے، بچے سے حتی کہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے حتی کہ عقل مند ہو جائے۔'' [4]

حج بدل جائز ہے: کسی عاجز و کمزور کی طرف سے اس کا بیٹا، بھائی یا کوئی اور قریبی عزیز حج کرے تو جائز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ کو فریضۂ حج کی نوبت اس حال میں پہنچی ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے، وہ اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتا، آپ نے فرمایا: «فَحُجِّي عَنْهُ» ''اس کی طرف سے تم حج کر لو۔'' [5]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب جواز العمرة في أشهر الحج، حديث :1241، وسنن أبي داود، المناسك، باب في إفراد الحج،حديث : 1790. [2] صحيح مسلم، الحج، باب صحة حج الصبي......، حديث: 1336، وسنن أبي داود، المناسك، باب في الصبي يحج، حديث : 1736. [3] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج الصبيان، حديث : 1858، ومسند أحمد: 449/3. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4398، ومسند أحمد: 101,100/6. [5] صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الحج وفضله......، حديث: 1513، وصحيح مسلم، الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوها......، حديث :1335,1334.

جناب ابورزین عُقَیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے، حج وعمرہ نہیں کرسکتا بلکہ سواری کے بھی قابل نہیں ہے، آپ نے فرمایا:

«حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ» ''تم اپنے باپ کی طرف سے حج بھی کرو اور عمرہ بھی۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ حج نہیں کرسکی اور وہ فوت ہوگئی ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ فرمایا:

«نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى أُمِّكِ دَيْنٌ، أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟»

''ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرلو، ذرا غور کرو اگر تمھاری ماں کے ذمے قرضہ ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتیں؟''[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں شُبرُمہ کی طرف سے حاضر ہوں۔ آپ نے پوچھا:

«مَنْ شُبْرُمَةُ؟» قَالَ: أَخٌ لِّي - أَوْ قَرِيبٌ لِّي - قَالَ: «حَجَجْتَ عَنْ نَّفْسِكَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَّفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ»

''شبرمہ کون ہے؟'' اس نے کہا: میرا بھائی ہے یا (یہ کہا کہ) کوئی قریبی عزیز ہے۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تو نے اپنا حج کرلیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پہلے اپنی طرف سے حج کر، پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔''[3]

حج اور عمرے کی فضیلت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ، لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کی درمیانی مدت کے لیے کفارہ ہے اور خالص حج کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔''[4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حديث: 1810، ومسند أحمد: 10/4. [2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت......، حديث: 1852. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حديث: 1811، وسنن ابن ماجه المناسك، باب الحج عن الميت، حديث: 2903. [4] صحيح البخاري، أبواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، حديث: 1773، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1349.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''حج اور عمرے بار بار کرو، بلاشبہ یہ فقیری اور گناہ یوں دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل صاف کر دیتی ہے اور خالص حج کا ثواب جنت ہی ہے۔'' [1]

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

«مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی شہوانی عمل کیا نہ کوئی فسق والا کام کیا تو وہ اپنے گناہوں سے پاک ہوکر اس دن کی طرح لوٹا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔'' [2]

نیت کے ذریعے سے حج کی نوعیت متعین کرنا ضروری ہے: حج کی تین صورتیں ہیں:

(1) تمتع (2) قران (3) اِفراد

حج تمتع: یہ ہے کہ آفاقی آدمی (جو اہلِ حرم میں سے نہیں ہے) حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھے اور مکہ پہنچ کر عمرہ مکمل کرے، پھر احرام کھول دے اور ایامِ حج آنے تک اسی طرح حلال رہے اور اس کے ذمے قربانی ہے۔ جو جانور میسر ہو، اس کی قربانی کر دے۔

حج قِران: یہ ہے کہ آفاقی آدمی حج اور عمرے کا اکٹھا احرام باندھے، مکہ میں داخل ہو جائے، عمرہ کرے، پھر احرام ہی میں رہے حتی کہ اعمالِ حج سے فارغ ہو جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک بار طواف اور ایک بار سعی کرے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَّاحِدٌ وَّسَعْيٌ وَّاحِدٌ عَنْهُمَا حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»

''جس نے حج اور عمرے کا احرام باندھا ہو، اسے دونوں کی طرف سے ایک بار طواف اور ایک بار سعی کافی

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في ثواب الحج والعمرة، حديث: 810، وصحيح ابن خزيمة: 130/4، حديث: 2512. [2] صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حديث: 1521، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1350.

ہے، حتی کہ ان دونوں سے فراغت پا جائے۔‘‘ [1]

حج قِران کی دلیل: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم میں سے بعض افراد نے عمرے کا احرام باندھا، بعض نے حج اور عمرے کا اور بعض افراد نے صرف حج کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا۔ اور جن لوگوں نے صرف حج یا حج اور عمرے کی نیت کی تھی، وہ حلال نہ ہوئے حتی کہ قربانی کا دن آ گیا۔ [2]

حج افراد: یہ ہے کہ آفاقی آدمی صرف حج کا احرام باندھے۔ اور یہ اس سے رمیِ جمرۂ عقبہ کے بعد فارغ ہوگا۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیثِ عائشہ ہے جو قِران کے ذیل میں بیان ہوئی ہے۔

* سب سے افضل حج تمتع ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج کا احرام باندھا، جب ہم مکہ پہنچے تو آپ نے ہمیں احرام کھول دینے کا حکم دیا، نیز فرمایا کہ ہم اسے عمرہ بنا لیں۔ یہ بات ہم پر بڑی گراں گزری اور ہمارے سینے بہت تنگ ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی، معلوم نہیں کیسے؟ آسمان سے پہنچی یا لوگوں کے ذریعے سے تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! أَحِلُّوا، فَلَوْلَا الْهَدْيُ الَّذِي مَعِي، فَعَلْتُ كَمَا فَعَلْتُمْ»

’’اے لوگو! احرام کھول دو اگر میرے ساتھ قربانی نہ ہوتی تو میں بھی تمھاری طرح کرتا۔‘‘

چنانچہ ہم نے احرام کھول دیے حتی کہ بیویوں سے ہم بستر بھی ہوئے اور وہ سب کچھ کیا جو احرام سے آزاد آدمی کرتا ہے، حتی کہ آٹھ ذوالحجہ کا دن آ گیا، ہم نے مکہ اپنی پیٹھ پیچھے کیا، یعنی منیٰ کا قصد کیا اور حج کا احرام باندھ لیا۔ [3]

احرام، میقات (مقررہ جگہوں) سے باندھا جائے

احرام کے لیے مقررہ مقامات: ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے لیے جحفہ، اہلِ نجد کے لیے قرن المنازل اور اہلِ یمن کے لیے مقام یلملم متعین فرمایا۔ یہ مقامات یہاں کے لوگوں کے لیے ہیں اور ان دیگر لوگوں کے لیے بھی جو یہاں سے حج وعمرہ کے لیے گزریں اور

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء أن القارن يطوف طوافًا واحدًا، حديث : 948، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب طواف القارن،حديث :2975. [2] صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقِران والإفراد بالحج......، حديث: 1562، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......،حديث : 1211. [3] صحيح البخاري، باب التمتع والقِران والإفراد بالحج، حديث :1568، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......،حديث : 1216.

جو ان سے آگے (مکہ کی جانب میں) ہوں تو ان کے لیے مقامِ احرام ان کا گھر ہی ہے حتی کہ اہلِ مکہ وہیں (مکہ ہی) سے احرام باندھیں گے۔" [1]

ذُوالْحُلَیْفَة: اہلِ مدینہ کا میقات ہے یہ بستی مکہ سے چار سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہ سب سے دور میقات ہے۔

جُحْفَة: یہ اہلِ شام کا میقات ہے۔ جو مکہ سے ایک سو ستاسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ بستی اجڑ چکی ہے۔ اس لیے لوگ اس سے پہلے رابغ مقام سے احرام باندھتے ہیں جو مکہ سے دو سو چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

قَرْنُ الْمُنَازِل: یہ اہلِ نجد کا میقات ہے۔ اور مکہ سے چورانوے (94) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

یَلَمْلَم: یہ اہلِ یمن کا میقات ہے جو مکہ سے چون 54 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

ذَاتُ عِرْق: یہ اہلِ عراق کا میقات ہے، یہ نجد اور تہامہ کے درمیان دیہی علاقہ ہے اور مکہ سے چورانوے 94 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ [2]

نبی ﷺ کا سفرِ حج

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ہاں گئے۔ انھوں نے سب لوگوں سے خیر و عافیت دریافت کی۔ میری باری آئی تو میں نے عرض کی کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں۔ انھوں نے اپنا ہاتھ میرے سر کی طرف بڑھایا، پھر میرے گریبان کا اوپر والا بٹن کھولا، پھر نیچے والا کھولا، پھر اپنا ہاتھ میری چھاتی پر رکھا، میں ان دنوں جوان لڑکا تھا، انھوں نے کہا: خوش آمدید اے میرے بھتیجے! پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو، تو میں نے ان سے پوچھا جبکہ وہ ان دنوں نابینے ہو چکے تھے اور نماز کا وقت ہو چلا تھا، وہ کھڑے ہو گئے، انھوں نے ایک چھوٹا سا کپڑا لپیٹ رکھا تھا، وہ جب بھی اسے اپنے کندھے پر ڈالتے تو اس کے کنارے کپڑا چھوٹا ہونے کے باعث گر پڑتے تھے جبکہ ان کی بڑی چادر کھونٹی پر لٹکی ہوئی تھی، انھوں نے ہمیں نماز پڑھائی۔ میں نے عرض کی کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے حج کے متعلق بتائیں۔ انھوں نے اپنے

[1] صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل الشام، حديث : 1526، وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، حديث: 1181. [2] دیگر محقق علماء نے ان مواقیت مکانیہ کی مکہ سے جو مسافتیں ذکر کی ہیں، وہ درج ذیل ہیں: * ذوالحلیفہ: 420 کلومیٹر، * جحفہ: 208 کلومیٹر جبکہ رابغ: 186 کلومیٹر۔ * قرن المنازل: 78 کلومیٹر۔ * یلملم: 120 کلومیٹر۔ * ذات عرق: 100 کلومیٹر۔ دیکھیے نيل المآرب في تهذيب شرح عمدة الطالب: 2/173 - 175، والمنهاج للمعتمر والحاج لسعود الشريم، ص: 54,53.

ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے نو (9) کے عدد کی گرہ بنائی اور کہا: رسول اللہ ﷺ نو سال تک رکے رہے، حج نہیں کیا، دسویں سال اعلان عام کر دیا کہ اللہ کے رسول حج کے لیے جانے والے ہیں، چنانچہ مدینے میں بہت سے لوگ آ گئے، سب کی آرزو تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کریں اور وہی کریں جو آپ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم آپ کے ساتھ روانہ ہوئے حتی کہ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ یہاں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر کو جنم دیا تو اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

«اِغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي» ”غسل کرلو، کپڑے سے لنگوٹ باندھ کر احرام باندھ لو۔“

رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی، پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر میدان بیداء کے قریب آئی تو میں نے اپنے سامنے تاحد نظر پیدل اور سوار آدمی ہی آدمی دیکھے، آپ کے دائیں جانب بھی لوگ تھے، بائیں جانب بھی تھے اور پیچھے بھی اور آپ ہمارے درمیان تھے، آپ پر قرآن اترتا تھا اور آپ اس کی حقیقت خوب جانتے تھے۔ پس جو آپ کرتے تھے، وہی عمل ہم بھی کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے توحید کا آوازہ بلند کیا:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ! لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ! إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ، وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

”میں بار بار حاضر ہوں اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں، میں بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں بار بار حاضر ہوں، ہر طرح کی حمد و ثنا تیرے ہی لائق ہے اور سب نعمتیں تیری ہی طرف سے ہیں اور سارا ملک تیرا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“

اور لوگ یہ کلمات پکارنے لگے جو پکارتے ہیں اور آپ نے کسی کی تردید نہیں فرمائی بلکہ آپ اپنا تلبیہ کہتے رہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ہماری نیت صرف حج کی تھی، ہم (حج کے ساتھ) عمرہ نہیں جانتے تھے حتی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچ گئے۔ آپ نے حجر اسود کا استلام کیا (بوسہ لیا اور ہاتھ لگایا)، پھر تین چکروں میں آہستہ آہستہ دوڑے اور چار چکروں میں عام چال سے چلے، پھر مقامِ ابراہیم کی طرف آئے اور یہ آیت پڑھی:

﴿ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾ ”اور (حکم دیا کہ) تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔“[1]

[1] البقرة 125:2.

آپ نے مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا۔

جعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد (محمد بن علی رحمہ اللہ) نبی ﷺ کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ آپ ان دو رکعتوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام رکن (حجر اسود) کی طرف لوٹے اور اس کا استلام کیا، پھر صفا کی طرف نکلے، جب اس کے قریب ہوئے تو یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''[1]

(اور فرمایا:) ''میں ابتدا کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔''

چنانچہ آپ نے صفا کی طرف سے ابتدا کی اور اس پر چڑھ گئے حتی کہ بیت اللہ کو دیکھا اور اس کی طرف رخ کیا اور اللہ کی توحید اور کبریائی بیان کی اور کہا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے، تعریف اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھلایا، اپنے بندے کی مدد کی اور سب جماعتوں کو اس اکیلے ہی نے پچھاڑ دیا۔''

پھر اس کے درمیان دعائیں کیں اور اسی طرح تین بار کہا، پھر مروہ کی طرف اترے، جب آپ وادی کے دامن میں پہنچے تو آپ دوڑے، جب چڑھائی آئی تو چلنے لگے حتی کہ مروہ پر پہنچ گئے اور وہاں بھی اسی طرح کیا جس طرح صفا پر کیا تھا حتی کہ آپ کا آخری چکر مروہ پر ختم ہوا، پھر آپ نے فرمایا:

«لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ، وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ، وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً»

''اگر مجھے اپنے اس معاملے کا علم پہلے ہو جاتا جو بعد میں ہوا ہے تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا لیتا، لہٰذا تم میں سے جس جس کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا لے۔''

سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے

[1] البقرۃ 2:158.

ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرتے ہوئے فرمایا:

«دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ» مَرَّتَيْنِ «لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ»

''عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔'' دو بار فرمایا، ''نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''

علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی ﷺ کی قربانیاں لے کر آئے، انھوں نے (اپنی اہلیہ محترمہ) فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام میں نہیں ہیں بلکہ رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ لگا لیا ہے، علی رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے پدر گرامی نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ جب عراق میں تھے، تو کہا کرتے تھے کہ میں فاطمہ کے خلاف ابھارنے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے ان کے عمل کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو بتایا کہ میں نے فاطمہ کے اس عمل پر انکار کیا ہے (اور انھوں نے آپ کا حوالہ دیا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَتْ صَدَقَتْ، مَاذَا قُلْتَ حِينَ فَرَضْتَ الْحَجَّ؟»

''اس نے ٹھیک کہا ہے، ٹھیک کہا ہے، تم نے حج کی نیت کے وقت کیا کہا تھا؟''

میں نے عرض کی کہ میں نے کہا تھا: اے اللہ! میں اسی طرح احرام باندھ رہا ہوں جس طرح تیرے رسول نے احرام باندھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلُّ» ''میرے ساتھ تو قربانی ہے، چنانچہ تم بھی احرام نہ کھولو۔''

اور بتایا کہ وہ قربانیاں جو علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے اور جو خود نبی ﷺ لائے تھے، وہ کل ایک سو تھیں، چنانچہ سب نے احرام کھول دیے اور اپنے بال ترشوا لیے، سوائے نبی ﷺ کے اور ان لوگوں کے جن کے ساتھ قربانیاں تھیں، پھر جب آٹھ ذوالحجہ کا دن آیا تو لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہونے لگے اور انھوں نے حج کے لیے احرام باندھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی سوار ہوئے (اور منیٰ پہنچے۔) وہاں آپ نے انھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھائیں، (نویں کی صبح کو) آپ نے کچھ توقف فرمایا حتی کہ سورج طلوع ہو گیا، پھر حکم دیا کہ آپ کے لیے وادیِ نمرہ میں خیمہ لگا دیا جائے، خیمہ اون کا تھا۔ آپ (منیٰ سے) روانہ ہوئے، قریشیوں کو یقین تھا کہ آپ مشعر الحرام (مزدلفہ) پر رک جائیں گے جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، مگر آپ علیہ السلام اس سے آگے بڑھ گئے حتی کہ عرفہ تک جا پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے لیے وادیِ نمرہ میں خیمہ لگا دیا گیا ہے، آپ اس میں اترے۔ سورج ڈھل گیا تو آپ نے قصواء اونٹنی کی تیاری کا حکم دیا، اسے تیار کیا گیا، پھر آپ دامنِ وادی میں

تشریف لائے، لوگوں کو خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟»

”بلاشبہ تمھارے خون، تمھارے مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح تمھارا یہ دن، اس مہینے اور اس شہر میں محترم ہے۔ خبردار! جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں تلے مٹائی جاتی ہے، جاہلیت کے تمام خون (قتل) معاف کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو میں اپنے خونوں میں سے معاف کر رہا ہوں، وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے، یہ بنی سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور ہذیل نے اسے قتل کر ڈالا تھا اور (زمانۂ) جاہلیت کا سب سود ختم کیا جاتا ہے اور سب سے پہلا سود جو میں کالعدم قرار دے رہا ہوں وہ ہمارا سود، عباس بن عبدالمطلب کا ہے، وہ سب کالعدم کر دیا گیا ہے، (لوگو!) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امان سے حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے سے ان کی عصمتیں اپنے لیے حلال کی ہیں اور تمھارے لیے ان کے ذمے یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند سمجھتے ہو۔ اگر وہ ایسی کوئی حرکت کریں تو انھیں سزا دو مگر ایسی سزا جو زخمی نہ کر دے اور ان کے لیے تمھارے ذمے یہ ہے کہ معروف انداز میں تم ان کی خوراک اور پوشاک کا اہتمام کرو۔ میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب۔ اور تم لوگوں سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟“

سب حاضرین نے جواب دیا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، حق ادا کر دیا اور خیر خواہی فرمائی، (یہ سن کر) آپ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند فرمائی اور پھر اسے لوگوں کی طرف

جھکاتے ہوئے کہا: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ» ''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔''

تین بار اسی طرح فرمایا، پھر اذان ہوئی، اقامت ہوئی اور نماز ظہر پڑھی، پھر اقامت ہوئی اور عصر پڑھی اور ان کے درمیان کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ علیہ السلام اونٹنی پر سوار ہوئے حتی کہ وقوف کی جگہ تشریف لے آئے، اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ پتھروں کی طرف کر دیا، پیدل چلنے والوں کا راستہ آپ کے سامنے تھا، آپ نے قبلے کی طرف منہ کیا، پھر ٹھہرے رہے حتی کہ سورج غروب ہوگیا اور اس کی زردی معدوم ہوگئی حتی کہ ٹکیہ غائب ہوگئی۔ آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور عرفات سے روانہ ہو گئے، آپ نے قصواء کی باگ خوب کھینچی ہوئی تھی، اس کا سر مَورِک (کجاوے پر سوار کے پیر رکھنے کی جگہ) کو لگ رہا تھا۔ آپ اپنے داہنے ہاتھ سے اشارے فرما رہے تھے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اَلسَّكِينَةَ السَّكِينَةَ» ''لوگو! سکون سے، سکون سے۔''

آپ کسی چڑھائی کے پاس آتے تو اونٹنی کی باگ تھوڑی سی ڈھیلی کر دیتے حتی کہ وہ اوپر چڑھ جاتی۔ یوں آپ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور ان کے درمیان کوئی سنتیں نہیں پڑھیں۔ پھر آپ لیٹ گئے حتی کہ فجر طلوع ہوگئی، آپ نے نماز فجر ایک اذان اور اقامت کے ساتھ ادا فرمائی۔

پھر آپ قصواء پر سوار ہوئے، مشعر الحرام کے پاس آئے، قبلے کی طرف منہ کیا، دعا کی، اللہ کی تکبیر و تہلیل بیان فرمائی اور وہاں ٹھہرے رہے۔ جب خوب سفیدی ہوگئی تو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے، آپ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کر لیا، یہ بڑی خوبصورت زلفوں اور سفید رنگ کا بڑا حسین نوجوان تھا۔ وہاں سے روانہ ہوتے وقت ان کے پاس سے عورتیں دوڑتی ہوئی گزریں، فضل ان کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تو فضل نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیرا اور انھیں دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ دوسری طرف سے پھیر کر فضل کے چہرے پر رکھ دیا تاکہ وہ اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لے حتی کہ آپ وادیِ مُحَسِّر کے دامن میں پہنچ گئے، یہاں سے آپ کسی قدر تیزی سے گزرے، پھر وہ درمیانی راہ اختیار فرمائی جو جمرہ کبرٰی پر نکلتی ہے حتی کہ آپ اس جمرہ کے پاس پہنچ گئے جو درخت کے پاس ہے، آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں، آپ ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے تھے۔ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں، آپ نے کنکریاں وادی کے نشیب کی طرف سے ماریں، پھر آپ قربان گاہ کی طرف آگئے، آپ نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ (63) قربانیاں نحر کیں اور بقیہ علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور ان کو اپنی قربانیوں میں شریک

فرمایا، پھر آپ نے ہر اونٹنی سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ لے کر دیگ میں پکایا گیا، پھر دونوں نے اس سے تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا۔

پھر آپ ﷺ سوار ہوئے، بیت اللہ تشریف لائے اور نماز ظہر مکہ میں ادا کی، پھر بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، وہ چاہ زمزم سے پانی پلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«اِنْزِعُوا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! فَلَوْلَا أَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ»

”نکالو اے بنی عبدالمطلب! مجھے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمھاری اس خدمت پر تم پر غالب آ جائیں گے تو میں بھی تمھارے ساتھ نکالتا۔“

انھوں نے آپ کو ایک ڈول دیا اور آپ نے اس سے پانی پیا۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بڑی عظیم الشان حدیث ہے، اس میں بہت عمدہ علمی فوائد اور بڑے نفیس قواعد بیان ہوئے ہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: علماء نے اس میں سے بہت سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے، بلکہ امام ابوبکر بن منذر نے اس پر ایک بڑا جز تصنیف کیا ہے اور ڈیڑھ سو سے زیادہ مسائل کا استخراج کیا ہے۔[2]

ممنوعاتِ احرام

محرم کے لیے کون سا لباس جائز نہیں؟ محرم آدمی قمیص، پگڑی، ٹوپی دار جبہ یا شلوار نہیں پہن سکتا، نہ کوئی ایسا کپڑا جس پر ورس (ایک قسم کی خوشبو دار بوٹی) یا زعفران لگا ہوا ہو، نہ موزے، ہاں! اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر بطور جوتا پہن سکتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! مُحرِم آدمی کون سے کپڑے پہنے؟ آپ نے فرمایا:

«لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَّا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَّسَّهُ زَعْفَرَانٌ أَوْ وَرْسٌ»

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218. [2] شرح النووي: 236/8 تحت الحديث: 1218.

''قمیص، پگڑی، شلوار یا ٹوپی دار جبہ نہ پہنے، نہ موزے، مگر جس کے پاس جوتے نہ ہوں، وہ موزے ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جسے زعفران لگی ہو یا وہ ورس سے رنگا گیا ہو۔''[1]

حدیث میں وارد الفاظ ''بَرَانِس'' (جمع بُرْنُس) سے مراد ہر وہ کپڑا ہے جس میں سر کی ٹوپی اس کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے۔

''کَعْبَیْن'' (کَعْب کا تثنیہ ہے) اس سے مراد وہ دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پاؤں اور پنڈلی کے جوڑ کو ملاتی ہیں۔

''وَرْس'' ایک زرد رنگ کی خوشبو دار بوٹی کا نام ہے جو رنگنے کے کام آتی ہے۔ ایک اور لفظ عُصْفُر بھی آتا ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔

عورت چہرے پر نقاب ڈالے نہ دستانے پہنے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا تَنْتَقِبِ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ» ''محرم عورت نقاب نہ کرے، نہ دستانے پہنے۔''[2]

احرام کی ابتدا کرتے ہوئے خوشبو نہ لگائے: صفوان بن یعلیٰ بن امیہ کہتے ہیں کہ (میرے والد) یعلیٰ رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے: کاش! میں نبی ﷺ کو اس حالت میں دیکھ پاؤں جب آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، چنانچہ جب رسالت مآب ﷺ جِعْرَانَة میں تھے، ایک شخص نے آپ پر ایک کپڑے سے سایہ کر رکھا تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے، ان میں عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے تو اس اثنا میں آپ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے اون کا جبہ پہنا ہوا تھا جو خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس آدمی کو کیسا پاتے ہیں جس نے عمرے کا احرام ایک ایسے جبے میں باندھا ہو جو خوشبو میں بسا ہوا ہو؟ نبی ﷺ نے ایک لحظہ اس کی طرف دیکھا اور خاموش ہوگئے، پھر آپ پر وحی نازل ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا کہ اِدھر آؤ، چنانچہ یعلیٰ رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے اپنا رخ نبی ﷺ کی طرف پھیر دیا۔ دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور آپ لحہ بھر کے لیے خراٹا سالے رہے ہیں، پھر آپ کی یہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے دریافت فرمایا:

«أَيْنَ الَّذِي سَأَلَنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا؟» فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ، فَجِيءَ بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب مالا يلبس المحرم من الثياب، حديث: 1542، وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج......، حديث: 1177. [2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ماينهٰى من الطيب للمحرم والمحرمة، حديث: 1838، ومسند أحمد: 119/2.

«أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ، فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَأَمَّا الْجُبَّةُ، فَانْزِعْهَا، ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ»

''کہاں ہے وہ جس نے ابھی مجھ سے عمرے کے متعلق پوچھا تھا؟'' اس آدمی کو ڈھونڈا گیا اور لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''تجھ پر جو خوشبو لگی ہوئی ہے، اسے تین بار دھو ڈال، جبہ اتار دے اور اپنے عمرے میں وہی طرز عمل اختیار کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔'' [1]

احرام سے قبل لگائی جانے والی خوشبو کا حکم: اگر کسی نے احرام سے پہلے خوشبو لگائی ہو تو اسے باقی رکھنا جائز ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے احرام کے وقت، جب وہ احرام باندھنے کا ارادہ فرما رہے ہوتے، خوشبو لگاتی تھی، اسی طرح بیت اللہ کے طواف سے پہلے بھی جب کہ آپ احرام کھولتے۔ [2]

محرم اپنے ناخن نہ کاٹے: امام ابن منذر لکھتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ محرم کے لیے ناخن کاٹنا حرام ہے۔ [3]

بال مونڈنا یا تراشنا: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾

''اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے۔'' [4]

اگر محرم کو اپنے بالوں سے اذیت ہو تو وہ انھیں تراش سکتا ہے یا مونڈ سکتا ہے مگر فدیہ دینا ہوگا: اللہ عز وجل کا حکم ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾

''پھر اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو وہ فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' [5]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا کر لے جایا گیا، حالت یہ تھی کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں، آپ نے فرمایا:

«مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، أَتَجِدُ شَاةً؟» فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: «فَصُمْ ثَلَاثَةَ

[1] صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب نزل القرآن بلسان قریش والعرب……، حدیث: 4985، وصحیح مسلم، الحج، باب مایباح للمحرم بحج……، حدیث: 1180 واللفظ له. [2] صحیح البخاري، الحج، باب الطیب عند الإحرام……، حدیث: 1539، وصحیح مسلم، الحج، باب استحباب الطیب قبیل الإحرام……، حدیث: 1189. [3] الإجماع، رقم: 148. [4] البقرة 196:2. [5] البقرة 196:2.

أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ»

”میں نہیں سمجھتا تھا کہ تجھے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا تو ایک بکری پاتا ہے؟“ میں نے عرض کی: نہیں، فرمایا: ”تو تین دن کے روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، ہر مسکین کے لیے آدھا صاع ہو۔“ [1]

محرم کوئی شہوانی بات کرے نہ فسق کا مرتکب ہو اور نہ جھگڑا کرے: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

”تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے، اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور کسی سے جھگڑا نہ کرے۔“ [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

”جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور کوئی شہوانی عمل نہ کیا اور نہ فسق کا مرتکب ہوا تو وہ اپنے گناہوں سے (پاک ہو کر) اس دن کی طرح لوٹا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔“ [3]

حافظ منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”رفث“ کا لفظ بول کر اس سے مراد جماع لیا جاتا ہے، یا کبھی یہ لفظ بے حیائی کے لیے بھی بولا جاتا ہے، یا اس کا اطلاق ایسی گفتگو پر بھی ہوتا ہے جو میاں بیوی کے مابین شہوانی جذبات کے سلسلے میں ہو۔ علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کی شرح میں یہ تینوں مفاہیم بیان کیے ہیں اور میرے نزدیک یہ سبھی باتیں حرام ہیں۔“

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿الرَّفَثُ﴾ سے مراد عورتوں کے پاس آنا ہے، یعنی جماع کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾

”تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔“ [4]

اور ﴿فُسُوقَ﴾ سے مراد بتوں اور آستانوں کے لیے جانور ذبح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ ”یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔“ [5]

---

[1] صحيح البخاري، المحصر، باب من قال على المحصر بدل، حديث: 1816، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم إذا كان به أذى.........، حديث: 1201. [2] البقرة 2:197. [3] صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حديث: 1521، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1350. [4] البقرة 2:187. [5] الأنعام 6:145.

حج میں جدال کی تفصیل یہ ہے کہ اہلِ قریش مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس قُزَح کے قریب ٹھہرا کرتے تھے۔ قُزَح ایک پہاڑی ہے جس کے قریب امام مزدلفہ میں وقوف کرتا ہے۔[1]

دیگر عرب قبائل عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے۔ ان کا آپس میں جھگڑا ہوتا تھا، کوئی کہتا تھا: ہم درست ہیں اور کوئی کہتا کہ ہم ٹھیک ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ﴾

''ہر امت کے لیے ہم نے طریق عبادت مقرر کیا ہے، وہ اس پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا وہ اس امر میں آپ سے ہرگز جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں، یقیناً آپ راہ راست پر ہیں۔''[2]

پس حج میں اس قسم کا جدال ممنوع ہے۔

محرم اپنا نکاح کرے نہ کسی دوسرے کا، نہ کسی کو نکاح کا پیغام دے: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ»

''احرام والا نہ خود نکاح کرے، نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے اور نہ نکاح کا پیغام دے۔''[3]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح کیا تھا، جبکہ (سند کے لحاظ سے) یہ حدیث صحیح ہے،[4] تو اس کے متعلق خود ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی اپنی وضاحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو آپ احرام میں نہیں تھے۔[5]

ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہی راجح ہے کیونکہ محترمہ خود صاحب معاملہ ہیں، نیز عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی بھی اسی کے مطابق ہے۔

مُحرم مرد کا سر ڈھانپنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی کو اپنی اونٹنی نے گرا کر اس کی گردن توڑ دی تو وہ مر گیا، وہ احرام میں تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] النهاية: 51/4، مادہ: ق ز ح. [2] الحج 22:67. لفظ ﴿فُسُوْق﴾ مذکورہ بالا معنی کو بھی شامل ہے، جبکہ اپنے عموم کی وجہ سے حالتِ احرام میں اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت اس میں داخل ہے، اسی طرح ﴿جِدَال﴾ مذکورہ معنی کے علاوہ ہر جھگڑے کو بھی شامل ہے۔ دیکھیے تفسير القرطبي، البقرة 2 :197. (عبدالولی) [3] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث : 1409، ومسند أحمد: 64/1. [4] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب تزويج المحرم، حديث : 1837، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم......، حديث : 1410. [5] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم......، حديث : 1411.

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَلَا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»

''اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، کفن بھی اس کے دو کپڑوں میں دو، اسے خوشبو نہ لگاؤ، اس کا چہرہ اور سر نہ ڈھانپنا، بلاشبہ یہ قیامت کے دن تلبیہ پکارتا ہوا اٹھے گا۔''

اور ایک روایت میں ہے: «وَلَا تُمِسُّوهُ بِطِيبٍ» ''اور اسے خوشبو بھی نہ لگاؤ۔''[1]

مُحرم شکار نہیں کر سکتا: سورۂ مائدہ میں اللہ عزوجل کا حکم ہے: ﴿ يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾

''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ﴾

''اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔''[3]

قصدًا شکار کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم: سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾

''اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو، اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا، وہ اللہ نے معاف کیا اور جو کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔''[4]

کسی نے محرم کے لیے شکار کیا ہو تو محرم اسے نہ کھائے: صعب بن جثّامہ لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شکار شدہ زندہ جنگلی گدھا اس وقت پیش کیا جب آپ اَبواء یا وَدّان مقام پر تھے، آپ نے اسے واپس کر دیا جب آپ نے میرا چہرہ دیکھا تو فرمایا: ''ہم نے شکار اس لیے واپس کیا ہے کہ

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الكفن في ثوبين، حديث: 1265، وصحيح مسلم، الحج، باب مايفعل بالمحرم إذامات، حديث: 1206 واللفظ له. [2] المآئدة 95:5. [3] المآئدة 96:5. [4] المآئدة 95:5.

ہم احرام میں ہیں۔‘‘ [1]

اگر شکار کرنے والا محرم نہ ہو اور اس نے محرم کے لیے شکار نہ کیا ہو تو اسے کھا لینا جائز ہے، جیسا کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ایک گروہ کو دوسری جانب سے روانہ کیا، ان میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے کہا کہ ساحلِ سمندر کی راہ لے لو حتی کہ ہم آپ سے جا ملیں، چنانچہ انھوں نے ساحل کی راہ لے لی۔ جب وہ لوٹے تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نے احرام باندھ رکھا تھا۔ وہ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے نیل گائیں دیکھیں۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا تو ایک مادہ گائے زخمی ہو گئی، وہ سب اترے، انھوں نے اس کا گوشت کھایا، پھر کہنے لگے: ہم شکار کا گوشت کھا رہے ہیں جبکہ ہم احرام میں ہیں؟ چنانچہ جو گوشت بچ گیا تھا، وہ ہم نے ساتھ لے لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انھیں بتایا کہ اے اللہ کے رسول! ہم احرام میں تھے مگر ابوقتادہ مُحرم نہیں تھے، ہم نے نیل گائیں دیکھیں تو ابوقتادہ نے ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ایک گائے زخمی ہو گئی، ہم اترے اور اس کا گوشت کھا لیا، پھر خیال آیا کہ ہم گوشت کھا رہے ہیں، حالانکہ احرام میں ہیں، باقی گوشت ہم ساتھ لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ’’کیا تم میں سے کسی نے انھیں ان پر حملہ کرنے کا کہا تھا یا ان کی طرف اشارہ کیا (متوجہ کرایا) تھا؟‘‘ ہم نے عرض کی: نہیں، آپ نے فرمایا: ’’جو باقی ہے، تم وہ بھی کھا سکتے ہو۔‘‘ [2]

حرم کے درخت نہیں کاٹے جا سکتے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: ’’آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں، مگر جہاد ہے اور عزم و نیت اور جب تمھیں جہاد کے لیے پکارا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ اور جس دن سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے، اسی دن سے یہ شہر محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ اللہ کے محترم بنانے ہی سے محترم ہے اور قیامت تک محترم رہے گا۔ مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لیے قتال کرنا حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے بھی صرف دن کی ایک گھڑی میں حلال کیا گیا ہے، سو یہ اللہ کے محترم ٹھہرانے ہی سے محترم ہے اور قیامت تک محترم ہے، اس کی جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں، اس کا شکار نہ بھگایا جائے، نہ یہاں کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے سوائے اس شخص کے جو اعلان کرے، نہ اس کے درخت کاٹے جائیں۔‘‘ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مگر اذخر کہ یہ ان کے لوہار (اور سنار وغیرہ) کے لیے ہے اور ان کے گھروں کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب إذا أهدي للمحرم حمارًا وحشيا حيًّا لم يقبل، حديث: 1825، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البري......، حديث: 1193. [2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يشير المحرم إلى الصيد......، حديث: 1824، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البري......،حديث: 1196.

بھی فرمایا: «إِلَّا الْإِذْخِرَ» ”مگر اِذخر۔“ [1]

دورانِ طواف کے اعمال

طوافِ قدوم با وضو ہونا چاہیے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ پہنچے تو سب سے پہلا جو کام کیا، وہ یہ تھا کہ آپ نے وضو کیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ [2]

طوافِ قدوم کے سات چکر ہیں: طواف قدوم کے سات چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جائے، یعنی تنے ہوئے شانوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ہموار قدم اٹھاتے ہوئے تیز تیز چلے اور باقی پھیروں میں معمول کی عام چال سے چلے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ حج وعمرہ کا پہلا طواف کرتے تھے تو اس کے تین چکروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے تھے اور باقی چار چکروں میں عام چال سے چلتے تھے، پھر آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے اور پھر صفا ومروہ کے درمیان چکر لگاتے تھے۔ [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں (صحابہ کو) حکم دیا کہ (پہلے) تین چکروں میں رَمَل کرو (آہستہ آہستہ دوڑو) اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلو اور رکنِ یمانی اور حجر اسود کے درمیان بھی عام رفتار سے قدم بڑھاؤ۔ [4]

حاجی، حجر اسود کو بوسہ دے: عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تو کہتے تھے: مجھے معلوم ہے تو ایک پتھر ہے، تو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ [5]

اپنی لاٹھی سے حجر اسود کو چھو لے، پھر اس (لاٹھی) کو بوسہ دے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا، آپ اپنی کھونٹی سے رکن (حجر اسود) کا

---

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يحل القتال بمكة، حديث: 1834، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها......، حديث: 1353. [2] صحيح البخاري، الحج، باب الطواف على وضوء، حديث: 1641، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي......،حديث: 1235. [3] صحيح البخاري، الحج، باب من طاف بالبيت إذا قدم مكة......، حديث: 1616، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب الرمل في الطواف في العمرة......، حديث: 1261. [4] صحيح البخاري، الحج، باب كيف كان بدء الرمل؟ حديث: 1602، و صحيح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الركنين اليمانيين......، حديث: 1266. [5] صحيح البخاري، الحج، باب ماذكر في الحجر الأسود، حديث: 1597، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف، حديث: 1270.

استلام کرتے تھے۔ [1]

حاجی رکن یمانی کو بھی ہاتھ لگائے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ یمن کی جانب کے صرف دو رکنوں ہی کو ہاتھ لگاتے تھے۔ [2]

حج قران والے کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَّاحِدٌ وَّسَعْيٌ وَّاحِدٌ عَنْهُمَا حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»

”جس نے حج اور عمرے کا (اکٹھا) احرام باندھا ہو، اسے ان دونوں کی طرف سے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے حتی کہ وہ ان دونوں سے فارغ ہو جائے۔“ [3]

حج میں حائضہ کے لیے حکم: حائضہ عورت وہ سب اعمال کرے جو حاجی کرتا ہے، البتہ وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی۔ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے، ہماری نیت حج ہی کی تھی حتی کہ جب ہم ”سَرِف“ مقام پر پہنچے یا اس کے قریب تھے کہ میرے ایام شروع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میں رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تیرے ایام شروع ہو گئے ہیں؟“ میں نے کہا: ہاں! یہ سن کر آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَغْتَسِلِي»

”یہ وہ چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے، تم وہی کچھ کرو جو حاجی کرتا ہے صرف طواف نہ کرنا جب تک کہ غسل نہ کر لو۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ [4]

[1] صحيح البخاري، الحج، باب استلام الركن بالمحجن، حديث: 1607، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره......، حديث: 1272، صحیح مسلم کی دوسری روایت: 1275 جو ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ ”پھر آپ اپنی کھونٹی کو بوسہ دیتے تھے۔“ مِحجَن (کھونٹی) اس عصا کو کہتے ہیں جس کا سرا مڑا ہوا ہوتا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الحج، باب الرمل في الحج والعمرة، حديث: 1606، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن الأفضل أن يحرم حين تنبعث به راحلته......، حديث: 1187. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء أن القارن يطوف طوافًا واحدًا، حديث: 948، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب طواف القارن، حديث: 2975. [4] صحيح البخاري، الحيض، باب تقضي الحائض المناسك كلها ◄

طواف کے دوران مسنون اور خیر کے کلمات کہنے چاہئیں: عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان پڑھ رہے تھے:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [1]

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' [2]

طواف کے بعد کے اعمال: طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھے، پھر رکن (حجر اسود) کو ہاتھ لگائے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ مقامِ ابراہیم کے پاس پہنچے تو آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ ''اور (حکم دیا کہ) تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'' [3]

اور نماز کے وقت آپ نے اسے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا۔ (راویِ حدیث جعفر بن محمد کہتے ہیں:) میرے والد کہا کرتے تھے کہ آپ ان دو رکعتوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھا کرتے تھے، پھر حجر اسود کی طرف لوٹتے اور اسے ہاتھ لگاتے تھے۔ [4]

صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے

صفا اور مروہ پہاڑی پر چڑھنا اور دعا کرنا: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صفا پر کھڑے ہوتے تھے تو تین بار اللہ اکبر پکارتے تھے اور پڑھتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک (ساجھی) نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور تعریف بھی اسی کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

یہ بھی تین بار پڑھتے اور (ان کے درمیان میں) دعا فرماتے اور مروہ پر بھی اسی طرح کرتے تھے۔ [5]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ طواف سے فارغ ہوئے، صفا کی طرف آئے، اس کے اوپر چڑھ گئے،

<< إلا الطواف بالبيت، حديث: 305، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211 واللفظ له. [1] البقرة 201:2. [2] [حسن] سنن أبي داود، المناسك، باب الدعاء في الطواف، حديث: 1892، ومسند أحمد: 411/3. [3] البقرة 125:2. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [5] [صحيح] سنن النسائي، مناسك الحج، باب التكبير عليها، حديث: 2988، والموطأ للإمام مالك: 343/1، حديث: 854 واللفظ له.

پھر بیت اللہ کو دیکھا، اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور اللہ کی حمد اور دعا کرنے لگے۔ [1]

صفا سے مروہ تک ایک چکر ہے: صفا سے مروہ کی طرف جانا ایک چکر ہوتا ہے، اسی طرح مروہ سے صفا کی طرف جانا بھی ایک چکر شمار ہوتا ہے اور یہ چکر متواتر ہونے چاہییں۔ علامہ شوکانی ؒ فرماتے ہیں: یہی حق ہے اور جو اس کے خلاف کرے، اس نے صریحاً غلطی کی، امت کے سلف اور خلف اسی کے قائل اور فاعل ہیں۔ [2]

رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے صفا سے ابتدا فرمائی جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ صفا کے قریب ہوئے تو آپ نے قرآن کریم کے یہ الفاظ پڑھے:

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ﴾ ”صفا و مروہ اللہ (کے دین) کی علامات میں سے ہیں۔“

پھر آپ نے فرمایا: ”میں اسی سے ابتدا کرتا ہوں جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔“

چنانچہ آپ نے صفا سے ابتدا کی۔ [3]

اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق نبی ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ کا آخری چکر مروہ پر ختم ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے: جب مروہ پر آپ کا ساتواں چکر پورا ہوا تو فرمایا: ”اگر مجھے اپنے اس معاملے کا پہلے علم ہوتا جو بعد میں ہوا تو میں قربانی لے کر نہ آتا اور اسے عمرہ بنا لیتا، چنانچہ تم میں سے جس کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ اسے عمرہ بنا لے۔“ [4]

اس پر امام شوکانی ؒ کہتے ہیں: یہ واضح بیان ہے کہ اگر سعی صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا کی طرف ایک چکر ہوتی تو اس طرح صفا و مروہ کے چودہ (14) چکر ہوتے، نہ کہ سات اور ان چکروں کا یکے بعد دیگرے مسلسل ہونا رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ کے تعامل سے ثابت ہے۔ [5]

حج تمتع کرنے والا سعی کے بعد ”حلال“ ہو جاتا ہے: یعنی احرام کھول دیتا ہے۔ جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ رسالت مآب ﷺ اپنی قربانیاں ساتھ لے کر چلے تھے اور صحابہ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، آپ نے ان سے فرمایا: ”بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) اور بال تراش لو، پھر حلال ہی رہو یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریخ ہو تو حج کا احرام

[1] صحیح مسلم، الجهاد، باب فتح مكة، حديث: 1780۔ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی کی مثل بات آئی ہے، صحیح مسلم، حدیث: 1218۔ [2] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 160/2۔ [3] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218۔ [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218۔ [5] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 161/2۔

باندھ لینا اور اسے جو تم نے کیا ہے، متعہ بنا لینا۔'' صحابہ نے عرض کی: ہم اسے متعہ کس طرح بنائیں جبکہ ہم نے تو حج کا نام لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''وہی کرو جس کا میں نے تمھیں حکم دیا ہے، اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو تمھیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن میں اپنا احرام نہیں کھول سکتا جب تک کہ قربانی حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ جائے۔'' چنانچہ صحابہ نے اسی طرح عمل کیا۔[1]

مناسکِ حج

نو ذوالحجہ کے دن ظہر سے پہلے عرفات کی طرف چلنا: وہاں خطبہ دینا اور ظہر وعصر کی نماز جمع تقدیم کے ساتھ ادا کرنا، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے، وہاں رات گزارنے کے بعد، طلوعِ شمس ہونے پر وہاں سے چل پڑے، قریش کا خیال یہ تھا کہ مزدلفہ سے آگے نہیں بڑھیں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزر کر عرفات آگئے، زوال کے بعد آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا، پھر اذان کہلوائی، اقامت کے بعد ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت ہوئی تو عصر کی نماز پڑھائی، ان دونمازوں کے درمیان اور کوئی نماز نہیں پڑھی۔[2]

جان لو کہ حج عرفہ ہے: عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا جبکہ آپ عرفہ میں تھے، نجد کے لوگ آئے، انھوں نے اپنے ایک آدمی سے کہا، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دی اور پوچھا کہ حج کیسے ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے بلند آواز سے ندا لگائی: حج عرفہ کے دن ہی ہے، جو شخص مزدلفہ کی رات کو نمازِ فجر سے پہلے پہلے یہاں آگیا، اس کا حج پورا ہوا۔ منیٰ کے دن تین ہیں۔ اور جو دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو تاخیر کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہ اس کی ندا لگانے لگا۔[3]

وقوفِ عرفہ کا وقت: وقوفِ عرفہ کا وقت نویں تاریخ کے زوال سے لے کر قربانی کے دن کی فجر تک ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہت سے علماء نے اس وقت پر اجماع کا ذکر کیا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جو مروی ہے کہ عرفہ کا سارا دن وقوف کا وقت ہے۔[4] تو یہ اجماع ان سے پہلے ہی منعقد ہو چکا ہے، اس لیے ان کی بات قابل اعتنا

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج......، حديث: 1568، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1216. [2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث: 1949. [4] المغني: 443/3.

نہیں ہے۔ انھوں نے عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو استدلال کیا ہے، اس میں ہے: ''جو اس سے پہلے عرفہ میں رات یا دن میں وقوف کر چکا ہو......''[1] تو اس ''مطلق دن'' کو اجماع نے مقید کر دیا ہے کہ اس سے مراد ''زوال'' ہے۔[2]

عرفات سے مزدلفہ جانا اور وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع تاخیر سے پڑھنا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کیں، ان کے درمیان سنتیں یا نفل کچھ نہیں پڑھا، مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں۔[3]

علاوہ ازیں جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں بھی وہی مفہوم ہے جو پہلے حدیث میں بیان ہوا ہے۔

مزدلفہ میں رات گزارنا، فجر کی نماز پڑھنا اور سورج نکلنے سے پہلے روانگی: جابر رضی اللہ عنہ کی طویل مفصل روایت میں ہے کہ جب فجر طلوع ہوئی تو آپ نے ایک اذان اور ایک اقامت سے نماز فجر ادا کی، پھر سوار ہوئے، مشعر الحرام کے پاس آئے، قبلہ رخ ہوئے اور دعا کی، اللہ کی تکبیر وتہلیل بیان کی، پھر کھڑے رہے حتی کہ سفیدی خوب نمایاں ہوگئی تو آپ سورج نکلنے سے پہلے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔[4]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج طلوع ہو جانے کے باوجود مشرکین مزدلفہ سے روانہ نہیں ہوتے تھے، وہ کہا کرتے تھے: ''اے ثبیر! (پہاڑ) روشن ہو جا۔'' لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طرز عمل کی نفی فرما دی اور سورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہوئے۔[5]

مشعر الحرام کے پاس وقوف اور اللہ کا ذکر: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ﴾

''(پھر جب تم عرفات سے لوٹو) تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو۔''[6]

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، مشعر الحرام کے پاس آئے، قبلے کی طرف رخ کیا، اللہ سے دعا کی، تکبیر وتہلیل اور توحید بیان کی، پھر ٹھہرے رہے حتی کہ خوب سفیدی ہوگئی۔[7]

[1] صحيح ابن حبّان (ابن بلبان): 162/9، حديث: 3851. [2] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 165/2، 166. [3] صحيح البخاري، الحج، باب من جمع بينهما ولم يتطوع، حديث: 1673، و صحيح مسلم، الحج، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة......، حديث: 1288. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905. [5] صحيح البخاري، الحج، باب متى يدفع من جمع، حديث: 1684. [6] البقرة 198:2. [7] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905.

جمرۂ عقبہ کو کنکریاں سورج نکلنے کے بعد ماری جائیں: جابر رضی اللہ عنہ ہی کی طویل حدیث ہے کہ آپ وادیِ مُحَسِّر کے دامن میں پہنچے تو کچھ تیزی سے چلے، پھر درمیانی راستہ اختیار فرمایا جو جمرۂ کبریٰ کی طرف نکلتا ہے حتی کہ اس جمرہ کے پاس آ گئے جو درخت کے پاس ہے، اسے سات کنکریاں ماریں۔ آپ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے، یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں۔[1]

وادیِ مُحَسِّر کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اصحاب الفیل (لشکرِ ابرہہ) کا ہاتھی یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، تھک گیا تھا اور عاجز آ گیا تھا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں بھی انھی معنوں میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝﴾

"(تیری) نگاہ ذلیل وخوار ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی جبکہ وہ تھکی ماندی ہوگی۔"[2]

جمرۂ کبریٰ جمرۂ عقبہ ہی ہے جسے کنکریاں ماری جاتی ہیں، یہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں درخت کے قریب تھی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچے اور اس طرح کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ ان کے بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب، پھر انھوں نے سات کنکریاں ماریں اور کہا: اس طرح اس شخصیت نے کنکریاں ماری تھیں جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

بوڑھے اور کمزور لوگ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے جا سکتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مزدلفہ کی رات ہی کو سامان کے ساتھ، یا فرمایا: کمزور افراد کے ساتھ، روانہ فرمایا تھا۔[4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، کیونکہ آپ بھاری بدن کی خاتون تھیں، (اور چاہتی تھیں) کہ وہ آپ سے پہلے اور لوگوں کے بھیڑ مچانے سے پہلے ہی روانہ ہو جائیں۔ آپ نے انھیں رخصت دے دی اور وہ آپ کے روانہ ہونے سے پہلے چلی گئیں، ہم رکے رہے حتی کہ آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔[5]

[1] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [2] الملك 67:4. [3] صحيح البخاري، الحج، باب رمي الجمار بسبع حصيات، حديث: 1748، وصحيح مسلم، الحج، باب رمي جمرة العقبة من بطن الوادي ......، حديث: 1296. [4] صحيح البخاري، الحج، باب من قدّم ضعفة أهله بليل......، حديث: 1678,1677، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن......، حديث: 1293 ثَقَلٌ کے معنی ہیں: استعمال کا سامان اور اس کی جمع أَثقال آتی ہے۔ اَلضَّعَفَةُ، یہ ضَعِيفٌ کی جمع ہے۔ اور اس سے مراد آپ علیہ السلام کے گھرانے کے ضعیف افراد ہیں۔ [5] صحيح البخاري، الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل......، حديث: 1681، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من ◄◄

سر کے بال مونڈنا یا تراشنا: انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں تشریف لائے اور جمرہ کے پاس آکر اسے کنکریاں ماریں، پھر منیٰ میں پڑاؤ کے بعد واپس آئے اور قربانی کی، پھر حجام سے فرمایا: ''ادھر سے لو۔'' اور اپنے سر کی دائیں جانب اشارہ کیا، پھر بائیں جانب...... اور اپنے بال لوگوں کو مرحمت فرمانے لگے۔ [1]

مردوں کے لیے سر منڈوانا افضل ہے، اس لیے کہ یہ رسالت مآب ﷺ کا عمل مبارک ہے، اس کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ مزید برآں نبی ﷺ نے دعا بھی فرمائی ہے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَلِلْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَلِلْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَلِلْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: «وَلِلْمُقَصِّرِينَ»

''اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کی بھی۔ آپ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ لِلْمُحَلِّقِينَ» صحابہ نے (پھر) عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کی بھی۔ آپ نے (پھر) فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» صحابہ نے (پھر) عرض کی: اے اللہ کے رسول! ور بال کٹوانے والوں کی بھی، تب آپ نے فرمایا: «وَلِلْمُقَصِّرِينَ» ''بال کٹوانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔'' [2]

خواتین کو سر منڈانے کا حکم نہیں، وہ تھوڑے سے بال کتر لیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيرُ»

''عورتیں سر نہ منڈوائیں، وہ صرف بال کتر لیں۔'' [3]

جو شخص جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکے اس کے لیے بیوی کے سوا ہر چیز حلال ہو جاتی ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رمی جمرہ کر لی جائے تو محرم کے لیے ہر چیز حلال ہو جاتی ہے سوائے بیوی کے۔ پوچھا گیا: اور خوشبو کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کستوری میں بسے

◄◄ النساء وغيرهن......، حديث: 1290. [1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، حديث: 171,170، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السنة يوم النحرأن يرمي ثم ينحرثم يحلق......، حديث: 1305. [2] صحيح البخاري، الحج، باب الحلق والتقصير عند الإحلال، حديث: 1728، وصحيح مسلم، الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير وجواز التقصير، حديث: 1302 واللفظ له. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب الحلق والتقصير، حديث: 1985,1984، والمعجم الكبير للطبراني: 12/250، حديث: 13018.

ہوئے تھے، کیا یہ خوشبو (نہیں) ہے؟ [1]

جو شخص رمیِ جمرہ سے پہلے سر منڈوالے، قربانی کر لے یا طواف افاضہ کر لے تو اس کا کوئی حرج نہیں:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات شروع کر دیے۔ ایک آدمی نے کہا: مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے ذبح سے پہلے ہی سر منڈوا لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ذبح کرو اور کوئی حرج نہیں۔'' دوسرا شخص آیا تو اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے رمی سے پہلے قربانی کر دی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''رمی کر لو اور کوئی حرج نہیں۔'' الغرض اس دن جو سوالات پوچھے گئے، جو اسی ذیل میں تھے کہ لوگوں نے کوئی عمل آگے پیچھے کر لیا تھا، آپ نے (یہی) فرمایا: ''کر لو، کوئی حرج نہیں۔'' [2]

ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں گزارنا: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ انھیں منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کی رخصت دی جائے کیونکہ وہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ [3]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ تشریق کے دنوں اور راتوں کو منیٰ میں رہنا سنت ہے، البتہ اگر کوئی معذور ہو تو رخصت ہے۔ صاحبِ عذر کے لیے رخصت ہے کہ دو دنوں کی رمی ایک دن میں کر لے جیسا کہ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو رخصت دی تھی کہ وہ منیٰ سے باہر رات گزار لیں، قربانی کے دن رمی کریں، پھر اگلے دن (گیارہویں تاریخ کو) اس کے بعد اگلا دن چھوڑ کر روانگی والے دن دو دن کی رمی کر لیں۔'' [4]

حاجی کے لیے جائز ہے کہ کعبہ کی زیارت کو جائے اور وہ منیٰ کے تمام دنوں میں اس کا طواف کر سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب تک منیٰ میں رہے ہر رات بیت اللہ کی زیارت (طواف)

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، مناسك الحج، باب مايحل للمحرم بعد رمي الجمار، حديث: 3086، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب ما يحل للرجل إذا رمى جمرة العقبة، حديث :3041 ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اس کے خوشبو ہونے میں کوئی شک نہیں، لہٰذا جو شخص رمی جمار کر چکا ہو تو اس کے لیے طواف سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے۔ [2] صحيح البخاري، الحج، باب إذا رمى بعد ما أمسى أوحلق قبل أن يذبح ناسيًا أوجاهلًا، حديث: 1735، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي......، حديث: 1306. [3] صحيح البخاري، الحج، باب سقاية الحاج، حديث: 1634، وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب المبيت بمنى......، حديث: 1315. [4] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب في رمي الجمار، حديث: 1975، وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الرخصة للرعاة......، حديث: 955.

کے لیے جاتے تھے۔[1]

روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارے: جناب سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرۂ صغریٰ (یا اولیٰ) کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے، پھر آگے کھلی جگہ پر آتے، قبلے کی طرف منہ کر کے لمبا قیام کرتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، پھر اسی طرح درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے، پھر بائیں طرف کھلی جگہ آ جاتے، قبلے کی طرف منہ کر کے لمبا قیام کرتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، پھر جمرۂ عقبہ (کبریٰ) کو دامنِ وادی کی طرف سے کنکریاں مارتے مگر یہاں نہ رکتے۔ وہ کہا کرتے تھے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[2]

قربانی کے دن خطبہ مستحب ہے: ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی والے دن خطبہ دیا اور فرمایا: «أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» ''کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟''

ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے، ہمیں خیال گزرا کہ شاید آپ اس دن کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا: «أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟» ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟''

ہم نے عرض کی: جی ہاں، کیوں نہیں! آپ نے دریافت فرمایا:

«أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا مہینہ ہے؟''

ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ شاید آپ اس مہینے کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ؟» ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟''

ہم نے کہا: جی ہاں، کیوں نہیں! پھر آپ نے دریافت فرمایا: «أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا شہر ہے؟''

ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ بدستور خاموش رہے، ہمیں خیال ہوا کہ شاید آپ اس (شہر) کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟» ''کیا یہ بلدالحرام (حرمت والا شہر) نہیں ہے؟''

ہم نے عرض کیا: جی ہاں، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا:

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 146/5، والطحاوي في مشكل الآثار: 491/1، والسلسلة الصحيحة: 439/2، حديث: 804.

[2] صحيح البخاري، الحج، باب رفع اليدين عند جمرة الدنيا والوسطٰى، حديث: 1752، ومسند أحمد: 152/2.

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ، فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''بلاشبہ تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارے اس دن کی، اس مہینے اور اس شہر میں حرمت ہے، یہ اس دن تک ہے جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ خبردار! کیا میں نے تمھیں پیغامِ حق پہنچا دیا ہے؟'' سب نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا، چنانچہ جو یہاں حاضر ہے، وہ اسے پہنچا دے جو یہاں حاضر نہیں، اس لیے کہ بہت سے (پیغامِ حق) پہنچائے گئے ایسے بھی ہوں گے جو سننے والے سے بہتر یاد رکھیں گے۔ میرے بعد کہیں کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔'' [1]

ایام تشریق کے درمیانی دن بھی خطبہ مستحب ہے: بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایام تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ دیا، ہم آپ کی سواری کے قریب ہی تھے اور یہ آپ کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔ [2]

حاجی قربانی والے دن طوافِ افاضہ کرے: اسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی والے دن طوافِ افاضہ کیا، پھر واپس تشریف لے آئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قربانی والے دن بیت اللہ کے طواف کے لیے جایا کرتے اور نماز ظہر واپس آکر منیٰ میں ادا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔ [3]

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طوافِ زیارت کے بارے میں اجماع ہے کہ یہ حج کا رکن ہے، جس سے یہ رکن رہ جائے، اس کا حج فوت ہو جاتا ہے، اس رکن کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا۔ [4]

حاجی طوافِ وداع کرے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حج کے بعد لوگ اپنے طور پر جدھر کا رخ ہوتا، چلے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص (اس طرح) واپس نہ جائے جب تک کہ اس کا آخری عمل

[1] صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث: 1741. [2] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب أي يوم يخطب بمنى؟ حديث: 1952. [3] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب طواف الإفاضة يوم النحر، حديث: 1308. [4] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 186/2.

بیت اللہ کا طواف (پورا) نہ ہو۔‘‘ [1]

البتہ اگر کوئی عورت ایام میں ہو تو اسے یہ طواف معاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے، تاہم آپ نے ایام والی عورت کو اس سے مستثنیٰ فرما دیا۔ [2]

* طوافِ وداع میں رمل نہیں ہے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔
* طوافِ وداع ان لوگوں کے لیے ہے جو ساکنِ مکہ نہ ہوں۔ اہلِ مکہ چونکہ وداع نہیں ہوتے، اس لیے ان پر طوافِ وداع نہیں ہے۔
* اگر کوئی شخص طوافِ وداع کے بعد کئی دن کے لیے رک جائے تو اسے یہ طواف دوبارہ کرنا چاہیے کیونکہ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد یہی ہے کہ لوگوں کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے۔ [3]

حاجی کو اپنے ساتھ تبرک کے طور پر آبِ زمزم لے جانا چاہیے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت ہے کہ وہ بوتلوں میں زمزم کا پانی بھر کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مشکیزوں اور برتنوں میں آبِ زمزم بھر وایا تھا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ پانی بیماروں پر چھڑکا اور انھیں پلایا جاتا تھا۔ [4]

حرمِ مدینہ کے شکار اور درختوں کا حکم بھی حرم مکہ کا سا ہے: عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا اور اس کے لیے دعا کی تھی۔ اور میں مدینہ کو حرم ٹھہراتا ہوں جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا۔‘‘ [5]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’مدینہ عَیر سے لے کر ثَور کے درمیان حرم ہے۔‘‘ [6]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا اور میں مدینہ کے دو

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع......، حديث: 1327. [2] صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، حديث: 1755، وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، حديث: 1328. [3] السيل الجرار، بتحقيق المؤلف: 184,183/2. [4] [حسن] التاريخ الكبير للبخاري: 189/3، والسنن الكبرى للبيهقي: 202/5، والسلسلة الصحيحة، حديث: 883. [5] صحيح البخاري، البيوع، باب بركة صاع النبي ﷺ ومده، حديث: 2129، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1360. [6] صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب حرم المدينة، حديث: 1870، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1370.

پتھریلے علاقوں کے درمیان کو حرم ٹھہراتا ہوں، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، نہ یہاں کا شکار مارا جائے۔''[1]

جو شخص حرمِ مدینہ میں درخت کاٹے یا ان کے پتے جھاڑے اس کا سامان چھین لیا جائے: جناب عامر بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں: (ان کے والد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (ایک دفعہ) وادیِ عقیق سے اپنے محل کی طرف جا رہے تھے، انھوں نے ایک غلام کو دیکھا جو درخت کاٹ رہا تھا اور پتے جھاڑ رہا تھا، تو انھوں نے اس کا سامان (کلہاڑی اور لباس وغیرہ) چھین لیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ واپس آئے تو غلام کے مالک ان کے پاس آئے اور اس کے متعلق بات کی کہ ان کے غلام کا سامان واپس کر دیں، تو انھوں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! جو چیز مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کی ہو، میں کیسے دے دوں!'' اور اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔[2]

حج میں رواج پانے والی بدعات

سفرِ حج اور احرام کی بدعات: (1) حج و احرام کی نیت زبان سے بولنا۔[3]

(2) گاڑی میں سوار ہوتے وقت مردوں عورتوں کا ازدحام و اختلاط۔[4]

(3) چھوٹی بچیوں کو حج سے روکنا۔[5]

(4) زادِ راہ لیے بغیر سفر کرنا اور اس زعم میں رہنا کہ ہم نے صحیح طور پر توکل کیا ہے۔[6]

(5) کسی عورت کا اجنبی مرد کو بھائی بنا لینا تاکہ یہ مرد اس غیر عورت کا محرم بن جائے اور پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ محرموں والا برتاؤ کریں۔[7]

(6) کسی آدمی کا کسی شادی شدہ عورت سے جو حج کے لیے جا رہی ہو اور اس کا محرم نہ ہو، نکاح کر لینا تاکہ وہ مرد اس عورت کے لیے محرم ہو جائے۔[8]

(7) کسی عورت کا اپنے خیال کے مطابق دوسری قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کرنا جبکہ ان کا اپنا محرم نہ ہو یا کسی ایک خاتون کا محرم ہو اور باقی عورتیں یہ خیال کریں کہ یہ مرد باقی سب خواتین کا بھی محرم ہے۔[9]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1362. [2] صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة، حديث: 1364، و مسند أحمد: 168/1. [3] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 50، ومجموع الفتاوىٰ: 223,222/22 و 105/26-107. [4] السنن والمبتدعات للشقيري: 163. [5] النووي شرح صحيح مسلم: 99/9. [6] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 48، وتلبيس إبليس لابن الجوزي: 179,78. [7] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 49. [8] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 48، و السنن والبدعات للشقيري: 167. [9] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 49.

8 تن تنہا سفر کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کا اُنس حاصل ہو جائے جیسا کہ بعض صوفیاء کرتے ہیں۔[1]

9 مسنون تلبیہ کے بجائے اللّٰه أكبر اور لا إله إلا اللّٰه کا ورد کرتے رہنا۔[2]

10 حج کے دوران خاموش رہ کر کسی سے بات نہ کرنا۔[3]

11 میقات سے پہلے ہی احرام باندھ لینا، یعنی حج یا عمرے کی نیت کر لینا۔[4]

طواف کی بدعات

1 مسجد حرام میں داخل ہو کر طوافِ قدوم سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنا۔[5]

2 حجر اسود کے استلام کے وقت اس طرح ہاتھ اٹھانا جس طرح نماز کے لیے رفع الیدین کرتے ہیں۔[6]

3 حجر اسود کے بوسے کے لیے بھیڑ لگانا اور اس غرض کے لیے امام سے پہلے سلام پھیر دینا۔[7]

4 حجر اسود کے استلام کے وقت «اَللّٰهُمَّ! إِيمَانًا بِكَ وَتَصْدِيقًا بِكِتَابِكَ» وغیرہ کہنا۔[8]

5 طواف کے دوران اس طرح ہاتھ باندھے رکھنا جس طرح نماز میں باندھتے ہیں۔[9]

6 آخری چار چکروں میں «رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ» پڑھنا۔[10]

7 بابِ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کہنا: «إِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ وَالْحَرَمَ حَرَمُكَ وَالْأَمْنَ أَمْنُكَ» اور مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہنا: «هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ»[11]

8 پرنالۂ کعبہ کے نیچے یہ دعا کرنا: «اَللّٰهُمَّ! أَظِلَّنِي فِي ظِلِّكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّكَ»[12]

9 طواف کے لیے غسل کرنا۔

10 میزاب رحمت سے گرنے والے پانی سے تبرک حاصل کرنا۔

11 بارش کے دوران قصداً طواف کرنا اور یہ سمجھنا کہ اس سے سابقہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

12 شامی ارکان اور مقام ابراہیم کو بوسہ دینا اور ان کا استلام کرنا۔[13]

---

[1] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 48. [2] مناسك الحج والعمرة، للشيخ الألباني، ص: 50. [3] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 50. [4] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 50. [5] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 51، والمسجد في الإسلام، خير الدين وانلي، ص: 315. [6] مناسك الحج والعمرة، للشيخ الألباني، ص: 51، وزاد المعاد: 225/2. [7] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [8] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [9] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [10] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 52. [11] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51، 52. [12] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [13] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 52، واقتضاء الصراط المستقيم.

13. رکن یمانی کو بوسہ دینا۔[1]
14. مسجد حرام میں نمازیوں کے آگے سے گزرنے کو جائز سمجھنا اور نمازی روکے تو اس کا مقابلہ کرنا۔[2]
15. طواف کے دوران قراءتِ قرآن کا التزام کرنا۔[3]

کعبہ کے متعلق بدعات

1. کعبہ کی دیواروں اور مقامِ ابراہیم کو چھونا۔[4]
2. کعبہ کی دیواروں اور مسجد الحرام کے ستونوں پر اپنا نام لکھنا۔
3. طوافِ وداع کے بعد مسجد الحرام سے الٹے پاؤں نکلنا۔[5]
4. مقام ابراہیم پر کپڑے ڈالنا اور غلاف کعبہ پہنانے کے دن مجلس منعقد کرنا۔[6]
5. عروۂ وثقی سے تبرک لینا، اس سے مراد وہ کنڈا ہے جو کعبہ کے قریب اونچائی میں کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس نے اسے پکڑ لیا، اس نے عروۂ وثقی تھام لیا۔[7]

زمزم کے متعلق بدعات

1. زمزم سے غسل کرنا۔
2. یہ عقیدہ رکھنا کہ زمزم کا پانی اور جہنم کی آگ کسی شخص کے پیٹ میں کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔
3. فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ زمزم کا پانی پیتے ہوئے کئی سانس لے اور اس دوران ہر بار بیت اللہ کی طرف نظر کرے۔
4. اپنا جھوٹا پانی کنویں میں ڈال دینا اور یہ کہنا: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ رِزْقًا وَّ اسِعًا وَّ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ شِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»[8]

سعی کی بدعات

1. حج یا عمرے میں بار بار سعی کرنا۔

---

[1] المدخل لابن الحاج: 224/4. [2] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 59. [3] الاعتصام للشاطبي: 23/2. [4] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 52. [5] الاختيارات العلمية لابن تيمية: 176. [6] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 59. [7] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 52. [8] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 53. آج کل تو کنواں ظاہر نہیں ہے۔

2. حج تمتع والے کا طوافِ افاضہ کے بعد سعی چھوڑ دینا۔
3. یہ عقیدہ رکھنا کہ جس نے وضو کیا اور عمدہ وضو کیا اور صفا و مروہ کے درمیان چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے میں ستر نیکیاں لکھے گا۔
4. نماز کی اقامت ہو جانے کے بعد بھی سعی میں مشغول رہنا حتی کہ نماز با جماعت فوت ہو جائے۔
5. منیٰ پہنچ کر اس خاص دعا کا اہتمام کرنا جو احیاء العلوم وغیرہ میں درج ہے: «اَللّٰهُمَّ! هٰذِهٖ مِنٰى فَامْنُنْ عَلٰى بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى أَوْلِيَائِكَ وَ أَهْلِ طَاعَتِكَ»
6. سعی کے دوران میں اس دعا کا اہتمام کرنا: «رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ تَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُورًا، أَوْ عُمْرَةً مَّبْرُورَةً وَ ذَنْبًا مَّغْفُورًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ» تین بار۔
7. سعی کے سات کے بجائے چودہ چکر بنا دینا، اس طرح انھیں صفا پر ختم کرنا۔
8. صفا پہاڑی پر اس قدر چڑھتے چلے جانا کہ دیوار سے جا ملے۔
9. سعی سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعتیں پڑھنا۔[1]

عرفہ کی بدعات

1. یہ اعتقاد رکھنا کہ وقوف کا اصل مقام جبلِ عرفات ہی ہے۔[2]
2. یومِ عرفہ کے لیے غسل کرنا۔
3. وقوفِ عرفات میں قبلہ رخ ہو کے ہاتھ اٹھا کے تین بار تلبیہ پکارنا اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَ يُمِيتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ کہنا۔[3]
4. یہ اعتقاد رکھنا کہ جو شخص، مرد یا عورت، عرفات کی رات درج ذیل مشہور عام دعا، جو دس کلمات پر مشتمل ہے، ایک ہزار بار پڑھے گا تو وہ جو بھی مانگے گا، دیا جائے گا سوائے اس کے کہ قطع رحمی یا گناہ کی کوئی بات ہو:
سُبْحَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ عَرْشُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْأَرْضِ مَوْطِئُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْبَحْرِ سَبِيلُهُ......[4]

---

[1] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 53، والقواعد النورانية لابن تيمية، ص: 150. [2] الأمر بالاتباع للسيوطي، ص : 257، والإبداع في مضار الابتداع للشيخ علي محفوظ، ص: 305. [3] الفوائد المجموعة للشوكاني، ص : 109,108. [4] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 54.

5. وقوف کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی عرفات کی طرف چل دینا۔
6. منیٰ سے عرفات کی طرف رات ہی کو روانہ ہو جانا۔
7. احتیاط کرتے ہوئے آٹھ تاریخ کو جبلِ عرفات پر اس خیال سے کچھ دیر کے لیے وقوف کرنا کہ شاید چاند دیکھنے میں غلطی ہوگئی ہو۔
8. آٹھویں تاریخ کو مکہ سے براہِ راست عرفہ چلے جانا۔
9. عرفہ سے مزدلفہ کی طرف نکلتے ہوئے دوڑنا، بھاگنا۔
10. عرفات میں جبلِ رحمت پر چڑھنا۔
11. جبلِ رحمت پر موجود قبے میں داخل ہونا، اس میں نماز پڑھنا اور اس کا طواف کرنا، لوگ اس قبے کو قبۂ آدم کہتے ہیں۔
12. عرفات میں بالکل خاموش رہنا اور کوئی دعا نہ کرنا۔
13. یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ عرفات والے دن پچھلے پہر اونٹ یا براق پر نازل ہوتا ہے اور سواروں سے مصافحہ اور پیدل افراد سے معانقہ کرتا ہے۔
14. عرفات میں امام کا دو خطبے دینا اور درمیان میں بیٹھنا جیسا کہ جمعے میں ہوتا ہے۔
15. عرفات میں خطیب کا خطبہ ختم ہونے سے پہلے ہی ظہر و عصر کی اذان کہنے لگنا۔
16. نماز ظہر و عصر خطبے سے پہلے ہی پڑھ لینا۔
17. امام کا نماز سے فارغ ہو کر اہلِ مکہ سے یہ کہنا: ''اپنی نماز مکمل کر لو، ہم مسافر ہیں۔''
18. عرفہ کے روز نماز ظہر اور عصر کے درمیان سنتیں یا نوافل پڑھنا۔
19. زبان زد عام یہ مقولہ کہ جمعے کے دن کا وقوفِ عرفات بہتر (72) حجوں کے برابر ہوتا ہے۔
20. منیٰ میں چراغاں کرنا۔
21. حدودِ عرفات سے باہر وقوف کرنا۔

مزدلفہ کی بدعات

1. عرفات سے مزدلفہ روانہ ہوتے ہوئے جلدی کرنا اور بھگدڑ مچانا۔[1]

[1] یہ بدعت ''عرفات کی بدعات'' میں بھی ذکر ہو چکی ہے۔ یہاں دوبارہ ذکر کرنے کا مقصد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق دونوں »

② مزدلفہ میں رات گزارے بغیر (کچھ دیر کے لیے) وقوف کرنا۔

③ سوار کا مزدلفہ میں پیدل چل کر داخل ہونا اور سمجھنا کہ یہ حرم کا احترام ہے۔

④ مزدلفہ پہنچ کر اس دعا کا اہتمام کرنا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ هٰذِهٖ مُزْدَلِفَةُ جَمَعْتَ فِيهِ أَلْسِنَةً مُخْتَلِفَةً، نَسْأَلُكَ حَوَائِجَ......»

⑤ مزدلفہ میں اترنے کے فوراً بعد نماز مغرب کی تیاری نہ کرنا بلکہ کنکریاں جمع کرنے لگنا۔

⑥ دونوں نمازوں کے درمیان مغرب کی سنتیں پڑھنا، یا عشاء کے بعد عشاء کی سنتوں اور وتروں کے ساتھ مغرب کی سنتیں بھی پڑھنا۔

⑦ مشعر الحرام کے پاس پہنچ کر اس دعا کا اہتمام و التزام کرنا:

«اَللّٰهُمَّ! بِحَقِّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ، وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ، وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ، أَبْلِغْ رُوحَ مُحَمَّدٍ مِّنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ، وَ أَدْخِلْنَا دَارَالسَّلَامِ، يَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ!»[1]

⑧ واجب قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا اور بزعم خود یہ باور کرنا کہ گوشت سے استفادہ کم اور ضیاع زیادہ ہوتا ہے۔

⑨ تمتع والے کا قربانی کے دن سے پہلے ہی مکہ میں قربانی کر دینا۔

احرام کھولنے کے موقع کی بدعتیں

① صرف چوتھائی سر مونڈنے پر اکتفا کرنا۔[2]

② سر منڈوانے کے لیے بائیں طرف سے ابتدا کرنا۔

③ سر منڈواتے ہوئے اس طرح دعا پڑھنا: «اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى مَاهَدَانَا، وَأَنْعَمَ عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ! هٰذِهٖ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ فَتَقَبَّلْ مِنِّي......»

④ سر منڈوانے کے لیے قبلہ رخ ہونا جیسا کہ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔[3]

⑤ قربانی کی رات مشعر الحرام میں چراغاں کرنا۔

⑥ یہ رات جاگ کر گزارنا۔[4]

◄◄ (عرفات اور مزدلفہ) سے ہے۔ [1] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 56. [2] حتی کہ بعض چند بال کاٹنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ [3] إحياء علوم الدين: 329/1. [4] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 57,56.

رمیِ جمرات کی بدعتیں

① رمیِ جمار کے لیے غسل کرنا۔

② امام باجوری کا یہ کہنا کہ یوم النحر کو ماری جانے والی سات کنکریاں مزدلفہ سے لینا اور باقی جمرات کے لیے وادیِ مُحَسِّر سے لینا سنت ہے۔

③ جمرات کے پاس بنی ہوئی مساجد کا طواف کرنا۔

④ کنکریاں مارنے سے پہلے انھیں دھونا۔

⑤ کنکریاں مارتے ہوئے اللہ اکبر کے بجائے تسبیح یا کوئی اور ذکر کرنا۔

⑥ کنکریاں مارتے ہوئے تکبیر کے علاوہ مزید کلمات کہنا، مثلاً: «رَغْمًا لِّلشَّيْطَانِ وَحِزْبِهِ، اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ حَجِّي مَبْرُورًا، وَسَعْيِي مَشْكُورًا، وَذَنْبِي مَغْفُورًا، اَللّٰهُمَّ! إِيمَانًا بِكِتَابِكَ وَ اتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِيِّكَ»

⑦ بعض متأخرین نے جو کنکریاں مارتے ہوئے ہر کنکری کے ساتھ اس دعا کو مسنون کہا ہے: «بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ...... تا...... وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ» یہ بھی بدعت ہے۔

⑧ کنکریاں مارنے والے کے لیے جمرے اور اس کے درمیانی فاصلے کی حد بندی کرنا کہ پانچ ہاتھ یا اس سے زیادہ فاصلہ ہو۔

⑨ جمرات کو جوتے وغیرہ مارنا۔

⑩ یوم النحر کو منیٰ میں عید پڑھنے کو مستحب جاننا۔

⑪ نفلی عمرے کے لیے مکہ سے باہر نکل کر تیاری کرنا۔

⑫ (کسی بھی طواف یا) طوافِ وداع کے بعد مسجد الحرام سے الٹے پاؤں باہر نکلنا۔[1]

سب سے افضل ہدی (قربانیِ حرم)

اونٹ/اونٹنی: سورۂ حج میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾

''اور قربانی (ہدی) کے اونٹ بھی جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے۔''[2]

[1] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 59، مزید دیکھیے: «معجم البدع» رائد بن صبري بن أبي عكفة، دارالعاصمة، ص: 172-197. [2] الحج 36:22.

گائے: اونٹ کے بعد افضل ہدی اور قربانی گائے کی ہے۔

بھیڑ بکری: گائے کے بعد افضل ہدی اور قربانی بکرے، دنبے اور بھیڑ، بکری کی ہے۔

ہدی میں گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے کافی ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلبیۂ حج پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے، آپ نے ہمیں حکم دیا کہ اونٹ اور گائے میں سات سات افراد شریک ہو جائیں۔[1]

ہدی پیش کرنے والے کے لیے اپنے قربان کردہ جانور کا گوشت کھانا سنت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے، ہماری نیت حج ہی کی تھی۔ جب ہم مکہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے، حکم دیا کہ جب بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر لو تو احرام کھول دینا۔ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ قربانی کے دن ہمیں گائے کا گوشت پہنچایا گیا، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی ہے۔[2]

ہدی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی ہدی کی اونٹنی کو ہنکائے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا: یہ تو حرم کی قربانی کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: ”سوار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا: یہ تو حرم کی قربانی کے لیے ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: ”سوار ہو جاؤ۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی جملہ ارشاد فرمایا۔[3]

بیت اللہ کی جانب بھیجی جانے والی ہدی کے اونٹ، اونٹنی کو چیرا لگانا اور اس کے گلے میں جوتے کا ہار ڈالنا مستحب ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھی، پھر اپنی اونٹنی طلب فرمائی، اس کے کوہان کی داہنی جانب ایک چیرا لگایا (اشعار کیا) اور خون کو اسی پر مل دیا، پھر اس کی گردن میں جوتوں کا ہار ڈالا۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ جب سواری آپ کو لے کر بیداء میدان کے قریب آئی تو آپ نے حج کا تلبیہ پکارا۔[4]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي......، حديث : 1318، وسنن أبي داود، الضحايا، باب البقر و الجزور عن كم تجزي؟ حديث : 2807 , 2808. [2] صحيح البخاري، الحج، باب ذبح الرجل البقر عن نسائه......، حديث : 1709، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث : 1211. [3] صحيح البخاري، الحج، باب ركوب البُدْن، حديث: 1690، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز ركوب البدنة المهداة......، حديث : 1323. [4] صحيح مسلم، الحج، باب إشعار ««

اشعار: یہ ہے کہ اونٹ یا اونٹنی کے کوہان کے داہنی جانب چھری وغیرہ سے چیرا لگانا اور جو خون نکلے، اسے اسی جگہ مل دینا۔

جو شخص اپنی قربانی بیت اللہ کی طرف بھیجے، اس کا حکم: عَمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ زیاد بن ابی سفیان نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لکھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جو شخص بیت اللہ کی طرف قربانی بھیجے، اس پر وہ تمام پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں جو حاجی پر ہوتی ہیں حتی کہ اس کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے۔ عَمرہ بیان کرتی ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتائی ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے ہار اپنے ہاتھوں سے بٹے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے ہار پہنائے۔ اور انھیں میرے والد کے ساتھ روانہ کیا۔ آپ کی قربانیاں نحر ہونے تک آپ پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی تھی جسے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا تھا۔''[1]

عمرے کا بیان

عمرے کے لیے احرام میقات ہی سے باندھا جائے: عمرے اور حج کے احرام میں کوئی فرق نہیں۔ عمرے کا احرام بھی میقات سے باندھا جائے گا۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں ''احرام میقات سے باندھا جائے'' کے تحت ذکر ہو چکا ہے کہ احرام کے لیے مخصوص مقامات و حدود مقرر ہیں۔

جو شخص مکہ میں ہو وہ عمرے کے لیے حدودِ حرم سے احرام باندھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم نے عمرے کا احرام باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»

''جس کے ساتھ قربانی ہو، وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھے رکھے، جب حج اور عمرہ کر لے تو احرام کھولے۔'' چنانچہ میں مکہ پہنچی تو ایام سے تھی۔ بیت اللہ کا طواف کر سکتی تھی نہ صفا و مروہ کی سعی۔ میں نے

◄ البُدْن وتقليده عند الإحرام، حديث :1243، وسنن أبي داود، المناسك، باب في الإشعار، حديث: 1752. [1] صحيح البخاري، الحج، باب من قلد القلائد بيده، حديث :1700، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب بعث الهدي إلى الحرم لمن لا يريد الذهاب بنفسه......حديث :1321.

رسول اللہ ﷺ سے اس کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا:

«اُنْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ»

''اپنے سر کے بال کھول لو، کنگھی کرو، حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو۔''

چنانچہ میں نے اسی طرح کیا۔ جب ہم نے حج کر لیا تو رسالت مآب ﷺ نے مجھے میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ تنعیم روانہ کیا اور میں نے عمرہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ» ''یہ تمھارے عمرے کی جگہ ہے۔''

جن لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا، انھوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی اور حلال ہو گئے (انھوں نے احرام کھول دیا) اس کے بعد انھوں نے منیٰ سے لوٹنے کے بعد حج کا طواف کیا اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ اکٹھا کیا تھا، انھوں نے صرف ایک ہی طواف کیا۔[1]

تنعیم: مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ مکہ سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ ہے۔ ایک فرسخ تقریباً 7.5 کلومیٹر کے مساوی ہوتا ہے۔

ارکانِ عمرہ: (1) احرام (2) طواف (3) سعی (4) بال منڈوانا یا کتروانا ان کے دلائل گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

عمرہ سال کے تمام دنوں میں ہوسکتا ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کیے اور یہ چاروں عمرے ذوالقعدہ ہی میں ہوئے، سوائے اس کے جو حج کے ساتھ تھا: حدیبیہ والا عمرہ، اس سے اگلے سال اور جِعْرانہ سے، جہاں آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں اور حج کے ساتھ والا عمرہ۔[2]

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً» ''رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، العمرة، باب عمرة التنعيم، حديث: 1784، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، العمرة، باب كم اعتمر النبيﷺ، حديث: 1778-1780، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، حديث: 1253. [3] صحيح البخاري، العمرة، باب عمرة في رمضان، حديث: 1782، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، حديث: 1256، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب العمرة في رمضان، حديث: 2994 واللفظ له.

احکامِ نکاح

نکاح کرنے کی ترغیب: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو، وہ شادی کر لے، بلاشبہ اس سے نظر بہت نیچی رہتی اور شرمگاہ کی بہت زیادہ حفاظت ہوتی ہے اور جسے طاقت نہ ہو، وہ روزے رکھے، یہ اس کے جذبات کو ماند کر دیں گے۔'' [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ میں سے ایک نے کہا: میں شادی نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں نماز تہجد ہی پڑھا کروں گا اور سوؤں گا نہیں اور تیسرے نے کہا: میں مسلسل روزے ہی رکھا کروں گا (کسی دن) چھوڑوں گا نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا؟ لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

''لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ اس اس طرح کی بات کہتے ہیں؟ حالانکہ میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' [2]

تبتل حرام ہے: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے الگ تھلگ رہنے (نکاح نہ کرنے) کی اجازت چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث :5066، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه……، حديث :1400 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث :5063، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح……، حديث :1401 واللفظ له.

اسے اس کی اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کرتے۔ [1]

* تَبَتُّل کے لفظی معنی ہیں: منقطع ہو جانا۔ یہاں مراد ہے: نکاح اور اس کی لذات سے الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مشغول ہو جانا۔

عورت کی وہ مطلوبہ صفات جن کی بنا پر اس سے نکاح کرنا مستحب ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نکاح کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور تبتل سے بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے۔ فرماتے تھے:

«تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ الْوَدُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"بہت بچے جننے اور خوب محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو، بلاشبہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمھاری کثرت کے باعث فخر کروں گا۔" [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا ، وَلِحَسَبِهَا ، وَلِجَمَالِهَا ، وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»

"عورت سے چار اسباب کے تحت نکاح کیا جاتا ہے: مال، خاندانی شرف، حسن و جمال یا دینداری کی وجہ سے، چنانچہ تو کسی دین دار خاتون سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں!" [3]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اے جابر!

«هَلْ تَزَوَّجْتَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟» فَقُلْتُ : تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا ، فَقَالَ :«هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟»

"تو نے کنواری سے شادی کی ہے یا ثیبہ سے؟" (جابر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ثیبہ سے، تو آپ نے فرمایا: تو نے کنواری سے شادی کیوں نہیں کی کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی!" [4]

عورت بالغہ ہو تو نکاح کے لیے اس کی رضا مندی ضروری ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء، حديث: 5073، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه......، حديث: 1402. [2] مسند أحمد: 3/158و245، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 7/82 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث: 5090، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، حديث: 1466. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب تزويج الثيبات، حديث: 5079و2967.

نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا»
''شوہر دیدہ خاتون اپنے بارے میں اپنے ولی کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ سے مشورہ کیا جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔'' [1]

ولی جبر نہیں کرسکتا: ولی کا فرض ہے کہ اپنی بیٹی کی رائے لے، جبر کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ خنساء بنت خِذام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا، یہ بیوہ تھیں، چنانچہ انھوں نے اس نکاح کو پسند نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی ناخوشی ظاہر کی تو آپ نے ان کا نکاح مسترد کر دیا۔ [2]

ولی کا دین دار اور صاحب لیاقت آدمی کو اپنی بچی سے نکاح کی پیش کش کرنا درست ہے: ولی جس شخص میں لیاقت اور دین دیکھے، اسے بخوشی اپنی بچی کی پیش کش کر دے، اس میں اس کی یا لڑکی کی کوئی ہتک نہیں۔ عبداللہ بن عمر ﷺ کہتے ہیں کہ میری بہن حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کا شوہر خُنَیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ فوت ہوگیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھا اور مدینہ ہی میں اس کی وفات ہوئی تھی، تو عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انھیں حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تو انھوں نے کہا: میں اپنے معاملے میں غور کروں گا، چنانچہ میں نے کئی دن انتظار کیا، پھر وہ مجھ سے ملے تو کہنے لگے: میں ان دنوں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا، ان سے کہا کہ آپ چاہیں تو میں حفصہ کی شادی آپ سے کر دیتا ہوں۔ وہ خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے ان پر عثمان سے بڑھ کر غصہ آیا۔ میں نے چند دن مزید انتظار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیج دیا، چنانچہ میں نے حفصہ کا نکاح رسالت مآب ﷺ سے کر دیا، پھر مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے تو فرمایا: شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں کہ آپ نے مجھے حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: جی ہاں! تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ مجھے اس پیش کش کا جواب دینے میں اور کوئی امر مانع نہ تھا سوائے اس کے کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کا ذکر فرمایا تھا اور میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمھاری پیش کش قبول کر لیتا۔ [3]

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، حديث: 1421، ومسند أحمد: 242,241/1. [2] [صحيح] سنن النسائي، النكاح، باب الثيب يزوجها أبوها وهي كارهة، حديث: 3270، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب من زوج ابنته وهي كارهة، حديث: 1873 نیز دیکھیے: إرواء الغليل: 229/6، حديث: 1830. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته على أهل الخير، حديث: 5122.

نابالغہ لڑکی سے نکاح کا پیغام اس کے ولی کو دیا جائے گا: عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا۔ ابوبکر نے جواب دیا: میں تو آپ کا بھائی ہوں! آپ نے فرمایا:

''اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی رو سے تو تم میرے بھائی ہی ہو لیکن یہ (عائشہ) میرے لیے حلال ہے۔''[1]

(قبول شدہ) پیغامِ نکاح پر پیغام دینا حرام ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ»

''کوئی شخص کسی کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغام نہ دے حتی کہ پہلا چھوڑ دے یا دوسرے کو اجازت دے دے۔''[2]

دورانِ عدت پیغامِ نکاح دینا حرام ہے: عدت کے دوران پیغامِ نکاح دینا حرام ہے، عدت خواہ وفات کی ہو یا طلاق کی۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دیں اور رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے (اس تیسری طلاق کے بعد) کوئی رہائش یا خرچ مقرر نہ فرمایا اور مجھ سے فرمایا:

«إِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي» ''جب تو حلال ہو جائے (تیری عدت ختم ہو جائے) تو مجھے اطلاع دینا۔''

چنانچہ میں نے حلال ہونے پر آپ کو مطلع کیا، اس کے بعد مجھے معاویہ، ابوجہم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نکاح کا پیغام دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَرَجُلٌ تَرِبٌ لَّا مَالَ لَهُ، وَأَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِلنِّسَآءِ، وَلٰكِنْ أُسَامَةَ [بْنَ زَيْدٍ]»

''معاویہ تو فقیر آدمی ہے اس کے پاس مال ہی نہیں ہے۔ اور ابوجہم عورتوں کو بہت مارتا ہے لیکن اسامہ (سے نکاح کر۔)''

اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا: اسامہ، کیا اسامہ سے نکاح کروں! اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«طَاعَةُ اللهِ وَطَاعَةُ رَسُولِهِ خَيْرٌ لَّكِ» ''اطاعت اللہ کی اور اس کے رسول کی تیرے لیے بہتر ہے۔''

چنانچہ میں نے اس سے نکاح کر لیا اور مجھ پر بہت رشک کیا گیا۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب تزويج الصغار من الكبار، حديث: 5081. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع، حديث: 5142، وسنن النسائي، النكاح، باب خطبة الرجل إذا ترك الخاطب أو أذن له، حديث: 3245 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: 1480، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في نفقة المبتوتة، حديث: 2284.

جو خاتون طلاقِ بائن یا وفات کی عدت میں ہو، اسے اشارے کنائے میں پیغامِ نکاح دیا جا سکتا ہے:

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾

''اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران میں انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا خفیہ وعدہ نہ کرو، مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو اور عقد نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔'' [1]

اللہ کے فرمان: ﴿فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدمی یہ کہہ دے کہ میں شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں یا میں چاہتا ہوں کہ کوئی صالحہ خاتون مل جائے۔ [2]

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے دیکھ لینا جائز ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ»

''تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو جو چیز اس کے ساتھ نکاح کا باعث بنتی ہو، اگر اسے دیکھ سکتا ہو تو دیکھ لے۔'' [3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے، جو ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا، دریافت فرمایا:

«أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟» ''کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟''

اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: «فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا» ''جاؤ اور اسے دیکھ لو۔'' [4]

صحیح نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے: جناب ابو بردہ اپنے والد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

---

[1] البقرة 2:235. [2] صحيح البخاري، باب قول الله عزوجل ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ......﴾ البقرة 2:235، حديث: 5124.

[3] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، حديث: 2082، ومسند أحمد: 334/3 واللفظ له. [4] صحيح مسلم، النكاح، باب ندب من أراد نكاح امرأة إلى أن ينظر إلى وجهها......، حديث: 1424، ومسند أحمد: 286/2و299، و إرواء الغليل حديث: 1791.

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» ”ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔“ [1]

یہ حدیث اپنے شواہد کی روشنی میں صحیح ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، «فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهُ»

”جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے“ آپ نے یہ کلمہ تین بار فرمایا ”اگر آدمی اس کے پاس آیا ہو تو اسے مہر دینا ہوگا بسبب اس کے کہ اس نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور اگر ولیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔“ [2]

اگر کسی عورت کا ولی ہی نہ ہو یا ولیوں کا آپس میں تنازع ہو جائے تو اس عورت کا ولی حاکم ہوگا۔ جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے اور اگلی حدیث میں بھی اس کا ذکر آ رہا ہے۔

صحتِ نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی شرطِ لازم ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْ عَدْلٍ فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهُ»

”ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں، اگر ان میں جھگڑا ہو تو حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔“ [3]

یہ حدیث اپنی اسانید اور شواہد کی روشنی میں صحیح ہے۔

ولی مشرک ہو یا بلاوجہ نکاح میں مانع بنے تو اس کی ولایت باطل ہے: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، حديث: 2085، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لانكاح إلا بولي، حديث: 1101، ومسند أحمد: 394/4. [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، حديث: 2083، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا بولي، حديث: 1102، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلا بولي، حديث: 1879، وإرواء الغليل، حديث: 1840. [3] [صحيح] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 125/7، و سنن الدارقطني: 225/3، حديث: 23.

’’تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں۔‘‘ [1]

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، وہ حبشہ میں فوت ہو گئے تو نجاشی نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کر دیا اور آپ کی طرف سے حق مہر چار ہزار درہم خود ادا کیا، پھر ان کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ [2]

مرد اور عورت اپنے نکاح کے لیے جسے چاہیں وکیل بنا لیں: دونوں کا ایک مشترک وکیل بھی ہو سکتا ہے، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے دریافت فرمایا: ’’کیا تم راضی ہو کہ میں تمھارا نکاح فلاں عورت سے کر دوں؟‘‘ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے عورت سے پوچھا: ’’کیا تو راضی ہے کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کر دوں؟‘‘ اس نے کہا: جی ہاں! چنانچہ آپ نے ان دونوں کا نکاح کر دیا اور وہ شخص اس عورت کو اپنے ہاں لے آیا، اور اس سے مباشرت بھی کر لی، اس نے عورت کے لیے کوئی مہر معین نہیں کیا تھا، نہ اس نے اسے کچھ دیا، یہ حدیبیہ میں شریک ہوا تھا اور حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں کے لیے خیبر میں حصہ رکھا گیا تھا، چنانچہ جب وہ لب مرگ تھا تو اس نے اپنے آس پاس والوں سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت سے میرا نکاح کر دیا تھا۔ میں نے اس کے لیے کوئی حق مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ اسے کچھ دیا تھا، گواہ رہنا کہ میں نے خیبر والا حصہ اس عورت کو بطور مہر دیا ہے۔ چنانچہ اسی عورت نے وہ حصہ وصول کیا اور پھر ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ [3]

عقد نکاح کے وقت خطبہ مستحب ہے: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز میں بھی تشہد سکھایا اور کسی حاجت کے موقع پر بھی، پھر انھوں نے نماز کا تشہد ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد حاجت کا تشہد (خطبۂ حاجت) بیان کیا:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا

[1] البقرة 2:232. [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، حديث: 2107، وسنن النسائي، النكاح، باب القسط في الأصدقة، حديث: 3352. [3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقا حتى مات، حديث: 2117، وإرواء الغليل، حديث: 1924.

وَنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾ [1]

نکاح کرنے والے کو دعا دینا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو اس کے نکاح پر مبارک باد دیتے تو اسے یوں دعا دیتے تھے: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»

''اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے، تم پر اپنی برکت ڈال دے اور تم دونوں کو خیر پر جمع رکھے۔'' [2]

وہ نکاح جو حرام ہیں

نکاح متعہ منسوخ ہو چکا ہے: متعہ سے وہ نکاح مراد ہے جو ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہو، مثلاً: دو تین دن، مہینہ بھر یا اس سے زیادہ مقررہ مدت تک کے لیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائے اسلام میں یہ نکاح جائز تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جاتے تھے۔ ہمارے ساتھ اپنی بیویاں نہیں ہوتی تھیں۔ ہم نے عرض کی: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ آپ نے ہمیں اس سے روک دیا، پھر ہمیں اجازت دی کہ کسی عورت سے کسی کپڑے وغیرہ کے عوض نکاح کر لیں۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ﴾

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث: 2118، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، حديث: 1105، واللفظ له، وسنن النسائي، النكاح، باب ما يستحب من الكلام عند النكاح، حديث: 3279، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح، حديث: 1892 محدث البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب خطبة الحاجة میں فرماتے ہیں: یہ مبارک خطبہ چھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم: یعنی عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، نبیط بن شریط اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور ایک تابعی جناب زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے، پھر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور آخر میں کہتے ہیں: ان احادیث سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ انھی کلمات سے ہر طرح کے خطبات کی ابتدا کی جائے، چاہے وہ خطبۂ نکاح ہو یا خطبہ جمعہ یا کوئی اور خطبہ، یہ محض خطبۂ نکاح سے مخصوص نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی آئی ہے۔ اور پھر سلف صالحین کے عمل سے اس کی تائید بھی ملتی ہے، یہاں تک کہ وہ حضرات اپنی تصنیفات کا آغاز بھی اسی خطبے سے کیا کرتے تھے۔ (مؤلف) [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب مايقال للمتزوج، حديث: 2130، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيما يقال للمتزوج، حديث: 1091، والسنن الكبرى للنسائي: 73/6، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب تهنئة النكاح، حديث: 1905.

”اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور تم حد سے نہ گزرو۔“ [1]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو نکاح متعہ کی اجازت کا ذکر کیا ہے تو اس میں خیبر سے پہلے یا بعد کی تعیین نہیں ہے، لہٰذا حدیثِ علی، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعہ کی نہی کا بیان ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد رخصت کی ناسخ ہے۔ اس لیے نکاح متعہ کسی صورت جائز نہیں ہے۔“ [2]

متعہ کی رخصت کے بعد چند مقامات پر اس کے منسوخ ہونے کا ذکر آتا ہے: (1) خیبر (2) فتح مکہ (3) غزوۂ اوطاس (4) غزوۂ تبوک (5) حجۃ الوداع۔ مگر بعض کے ثبوت میں اختلاف ہے۔

* خیبر: روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دنوں میں پالتو گدھوں اور متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ [3]

میں عرض کرتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اسے حرام فرمایا تھا، مگر اس کے بعد اجازت دے دی تھی، پھر دوسری بار فتح مکہ کے موقع پر اسے حرام فرمایا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کو اس رخصت کا علم نہیں ہو سکا۔ تو انھوں نے اپنے پہلی بار کے سنے ہوئے ارشاد پر اعتماد کرتے ہوئے خیبر ہی کے حوالے سے کہا کہ اسی موقع پر اسے حرام کیا گیا تھا۔ اور بعد میں مسئلہ بھی اس کی حرمت ہی پر آ ٹھہرا ہے۔

* فتح مکہ کے سال: ربیع بن سبرہ سے روایت ہے کہ اس کے والد نے غزوۂ فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہم وہاں پندرہ دن اور پندرہ راتیں رہے، آپ نے ہمیں عورتوں سے متعہ کی رخصت دے دی۔ تو میں اور میری قوم کا ایک آدمی نکلا۔ میں خوبصورتی میں اس سے بڑھ کر تھا اور وہ بدصورتی کے قریب تھا۔ ہم دونوں کے پاس اونی چادریں تھیں، میری چادر پرانی تھی، میرے چچا زاد کی چادر نئی اور عمدہ تھی حتی کہ ہم مکہ کی نچلی طرف تھے یا بالائی جانب تو ہمیں ایک جوان لڑکی ملی گویا لمبی گردن والی جوان اونٹنی ہو، ہم نے اس سے پوچھا: کیا خیال ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی تیرے ساتھ متعہ کر لے؟ اس نے کہا: تم کیا خرچ کرو گے؟ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی چادر پھیلا دی۔ وہ ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔ میرا ساتھی اس کے پہلوؤں

---

[1] المائدة 87:5. صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾، حديث: 4615، وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث: 1404. [2] معرفة السنن والآثار: 175/10. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة أخيرًا، حديث: 5115، وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث: 1407.

کو دیکھنے لگا، بولا کہ اس کی چادر پرانی ہے، میری چادر نئی اور بڑی عمدہ ہے۔ لڑکی بولی: اس کی چادر بھی زیادہ خراب نہیں ہے۔ یہ تین بار کہا یا دو بار، پھر میں نے اس سے متعہ کیا اور میں اس سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دے دیا۔ [1]

* غزوۂ اوطاس کے سال: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اوطاس کے سال تین دن کے لیے متعہ کی رخصت دی، پھر اس سے منع فرما دیا۔ [2]

* غزوۂ تبوک میں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب روانہ ہوئے تو ثنیۃ الوداع کے پاس پڑاؤ کیا، وہاں چراغ جلتے دیکھے یہاں عورتوں کے رونے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کیا (بات) ہے؟'' بتایا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ وہ عورتیں ہیں جن سے لوگوں نے متعے کیے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ڈھا دیا ہے'' یا یوں فرمایا: ''نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعے کو حرام کر دیا ہے۔'' [3]

* حجۃ الوداع کے موقع پر: جناب زہری نے بتایا کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے ہاں تھے۔ وہاں عورتوں کے ساتھ متعے کا ذکر آ گیا۔ ربیع بن سبرہ نامی ایک آدمی نے کہا: میں اپنے والد کے متعلق گواہی دیتا ہوں، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس سے منع فرما دیا تھا۔ [4] مگر یہ روایت شاذ ہے۔

الغرض یہ بات کہ نکاح متعہ کی حرمت عمرۂ قضاء، غزوۂ تبوک یا حجۃ الوداع میں ہوئی، محل نظر ہے۔ یہ روایات ضعیف مرسل، ضعیف یا شاذ ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے سال یا غزوۂ اوطاس میں اس کا ثبوت صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں رونما ہوئے تھے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی تحریم اور اباحت دو بار ہوئی ہے۔ خیبر سے پہلے مباح تھا اور خیبر ہی میں حرام ہوا، پھر فتح مکہ کے سال اس کی اجازت دے دی گئی، یہی سال غزوۂ اوطاس کا بھی ہے، پھر ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ [5]

نکاح حلالہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا، لعنت فرمائی ہے۔ [6]

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث :1406. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث : 1405. [3] [ضعيف] صحيح ابن حبان (الموارد): 195/4، حديث : 1267، وسنن الدارقطني : 259/3، والسنن الكبرىٰ للبيهقي : 207/7. [4] مسند أحمد :404/3، والسنن الكبرىٰ للبيهقي :204/7، والمعجم الكبير للطبراني، حديث :6532. [5] شرح مسلم: 257,256/9. [6] [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحل......، حديث : 1120، وسنن النسائي، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا ......، حديث: 3445، ومسند أحمد:450/1.

* مُحَلِّل: اس سے مراد وہ شخص ہے جو اس عورت سے نکاح کرے جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ اور اس کا مقصد یہ ہو کہ عورت طلاق دینے والے کے لیے حلال ہو جائے۔

علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر (صاحب سبل السلام شرح بلوغ المرام) لکھتے ہیں کہ حلالے کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: عقد کے وقت عقد کرنے والا یوں کہہ دے کہ جب میں اس سے حلالہ کرلوں گا تو میرا نکاح نہیں رہے گا۔ یہ متعہ کی طرح ہوا کیونکہ اس میں وقت معین ہو گیا۔ یا یوں کہے کہ جب میں اسے حلال کردوں گا تو طلاق دے دوں گا۔ یا دل ہی میں یہ بات ہو اور طرفین کا اس بات پر اتفاق ہو کہ یہ عقد محض تحلیل کے لیے ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے لعنت کے الفاظ کا اطلاق اس قسم کے نکاح کی تمام صورتوں پر ہوتا ہے اگرچہ کچھ (نکاحوں) میں اختلاف بھی کیا گیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے ناقابلِ توجہ ہے۔[1]

نکاح شغار: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔ اور (راوی نافع بتاتے ہیں کہ) شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کردے کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دے گا اور ان دونوں کے درمیان کچھ اور حق مہر نہ ہو۔[2]

غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ أَوْ أَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ»

”جو غلام اپنے آقا کی یا اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، وہ زانی ہے۔“[3]

عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کر لینا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا»

”عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو (ایک نکاح میں) جمع نہ کیا جائے۔“[4]

---

[1] سبل السلام: 350/3. [2] صحیح البخاري، النکاح، باب الشغار، حدیث: 5112، وصحیح مسلم، النکاح، باب تحریم نکاح الشغار وبطلانہ، حدیث: 1415. شرط کی وجہ سے یہ شغار ہے اور ممنوع ہے، باقی مہر مقرر ہو یا نہ ہو، بہر صورت شرط کی وجہ سے ممنوع ہے، اس کی دلیل سنن ابی داود کی حدیث ہے جس میں شرط کی موجودگی کی وجہ سے اس نکاح کو شغار قرار دیا گیا، حالانکہ اس نکاح میں دونوں جانب سے عورتوں کے لیے مہر بھی طے ہوا تھا۔ دیکھیے سنن أبي داود، النکاح، باب في الشغار، حدیث: 2075. (عبدالولی) [3] [حسن] سنن أبي داود، النکاح، باب في نکاح العبد بغیر إذن موالیہ، حدیث: 2078، وجامع الترمذي، النکاح، باب ماجاء في نکاح العبد بغیر إذن سیدہ، حدیث: 1111، و إرواء الغلیل، حدیث: 1933، ومسند أحمد: 301/3 واللفظ لہ. [4] صحیح البخاري، النکاح، باب لاتنکح المرأۃ علی عمتھا، حدیث: 5109، 5110، وصحیح مسلم، النکاح، باب تحریم الجمع »

حالتِ احرام میں نکاح: عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ»

''مُحرم نہ خود اپنا نکاح کر سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کا نکاح کرا سکتا ہے اور نہ اس کا نکاح کیا جا سکتا ہے۔''[1]

بدکار اور مشرک عورت سے نکاح یا کسی ایسے ہی مرد کا مومنہ سے نکاح: سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ»

''کوئی زانی جسے حد لگ چکی ہو، وہ کسی اپنے جیسی ہی سے نکاح کر سکتا ہے۔''[3]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مرثد بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ مکہ سے (مسلمان) قیدیوں کو اٹھا لاتے تھے۔ مکہ میں عناق نامی ایک بدکار عورت تھی۔ وہ اسلام سے پہلے ان کی آشنا تھی، مرثد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ تو آپ خاموش رہے، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی۔''

پھر آپ نے مجھے بلایا اور یہ آیت سنائی اور فرمایا: «لَا تَنْكِحْهَا» ''اس سے نکاح مت کرنا۔''[4]

◄◄ بين المرأة و عمتها أو خالتها في النكاح، حديث: 1408. [1] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث: 1409، وسنن أبي داود، المناسك، باب المحرم يتزوج، حديث: 1841 واللفظ له. [2] النور 24:3.
[3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالى: ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ﴾، حديث: 2052، و مسند أحمد: 324/2. یعنی ایسا زانی جسے حد بھی لگی ہو لیکن اس نے توبہ نہ کی ہو تو کسی مومنہ کا نکاح اس کے ساتھ جائز نہیں۔ اور اگر توبہ کر لی ہے تو پھر جائز ہے۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر، سورۂ نور 24:3 کے تحت۔ (عبدالولی) [4] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالى: ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ﴾، حديث: 2051، وسنن النسائي، النكاح، باب تزويج الزانية، حديث: 3230، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النور، حديث: 3177.

چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح: حارث بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میری آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے یہ بات نبی ﷺ کو بتائی تو آپ نے فرمایا:

«اِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا» ''ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔'' [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو اس کی جاہلیت کے ایام سے دس بیویاں تھیں، وہ بھی اس کے ساتھ مسلمان ہو گئیں، آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔ [2]

دو بہنوں کی یکجائی: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ ''اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ہے۔'' [3]

جناب ضحاک بن فیروز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میری زوجیت میں دو بہنیں ہیں، آپ نے فرمایا: «طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ» ''دونوں میں سے کسی ایک کو جسے چاہو، طلاق دے دو۔'' [4]

مطلقہ ثلاثہ: مطلقہ ثلاثہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہے اور وہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا حتی کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس مطلقہ سے نکاح صحیح کر لے اور پھر وہ (پہلے کے لیے حلال کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ) کسی اور وجہ سے اسے طلاق دے دے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ﴾

''پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں (اور نکاح کر لیں) اگر وہ دونوں

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع أو أختان، حديث :2241، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الرجل يسلم وعنده أكثر من أربع نسوة، حديث :1952. [2] [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده عشر نسوة، حديث: 1128، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الرجل يسلم وعنده أكثر من أربع نسوة، حديث : 1953. [3] النسآء 4:23. [4] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع أو أختان، حديث :2243، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده أختان، حديث : 1130.

خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے۔" [1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے ایک آدمی نے نکاح کر لیا، پھر اس نے دخول سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی، اب اس کے پہلے شوہر نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«لَا ، حَتَّى يَذُوقَ الْآخِرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا ، مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ»

"نہیں حتی کہ دوسرا اس کی چاشنی چکھ لے جو پہلے نے چکھی ہے۔" [2]

ان عورتوں سے نکاح جن کی حرمت کی قرآن نے صراحت کی ہے: سورۂ نساء میں اللہ عز وجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ﴾

"اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا مگر جو گزر چکا، یہ بے حیائی ہے، بڑی نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں، تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری رضاعی بہنیں اور تمھاری ساسیں اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، ہاں اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے صلبی (سگے) بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ہے۔ ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔ اور تمھارے لیے شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک بن جاؤ۔ اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر

[1] البقرة 2:230. [2] صحيح البخاري، الشهادات، باب شهادة المختبىء، حديث: 2639، وصحيح مسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلّقها......، حديث: 1433 واللفظ له.

دیے ہیں اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو اور تمھاری نیت بدکاری کی نہ ہو۔'' [1]

نسب کے باعث حرام ہونے والی عورتیں سات ہیں: (1) مائیں: اس سے مراد انسان کو جنم دینے والی خاتون کے علاوہ ہر وہ عورت ہے جو ماں یا باپ کے واسطے سے ماں بنتی ہے، یعنی ماں کی والدہ (نانی) باپ کی ماں (دادی) اس طرح اوپر کے مدارج تک۔

(2) بیٹیاں: اس سے اپنی صلبی بیٹیوں کے علاوہ وہ بھی مراد ہیں جو بیٹیوں کے واسطے سے بیٹیاں بنتی ہیں، یعنی بیٹی کی بیٹی (نواسی) اسی طرح نواسے کی بیٹی اور درجہ بدرجہ نیچے تک۔ جمہور اس کے قائل ہیں کہ زنا کے باعث جنم لینے والی بیٹی کا بھی یہی حکم ہے۔

(3) بہنیں: یہ حکم عام ہے کہ بہنیں حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے۔ [2]

(4) پھوپھیاں: اس سے مراد باپ کی بہنیں ہیں، اوپر کے مدارج تک، یعنی دادا، پردادا کی بہنیں بھی، چاہے وہ حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے، یا ماں کی طرف سے۔

(5) خالائیں: اس سے مراد آدمی کی ماں کی بہنیں ہیں اور اس کے آباء کی ماؤں کی بہنیں بھی، اوپر کے مدارج تک۔

(6) (7) بھتیجیاں اور بھانجیاں: اس سے مراد آدمی کے بھائی اور بہنوں کی بیٹیاں ہیں اور ان کی بیٹیاں نیچے تک۔ یہ بھائی اور بہنیں حقیقی ہوں، یا ماں کی طرف سے، یا باپ کی طرف سے۔

رضاعت (دودھ) کے رشتے سے حرام ہونے والے بھی سات ہی رشتے ہیں:

(1) رضاعی ماں جس نے دودھ پلایا ہو۔	(5) رضاعی باپ کی بہن
(2) رضاعی ماں کی ماں	(6) رضاعی ماں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں
(3) رضاعی باپ کی ماں	(7) رضاعی بہن
(4) رضاعی ماں کی بہن	

[1] النسآء 4:22-24. [2] ہمارے معاشرے میں زبان زد عام رشتے ماموں زاد بہن، خالہ زاد بہن یا چچا زاد بہن وغیرہ ایسے رشتے ہیں، جن کو شریعت نے بہن والا درجہ یا حکم نہیں دیا، یعنی اگر کوئی اور وجۂ حرمت نہ ہو تو ان سے نکاح جائز ہے۔ (مترجم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا: ”یہ میرے لیے حلال نہیں کیونکہ رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔“ [1]

عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک آدمی کی آواز سنی، وہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ شخص آپ کے گھر میں آنے کی اجازت مانگ رہا ہے، آپ نے فرمایا:

«أُرَاهُ فُلَانًا» ”میرا خیال ہے کہ یہ فلاں شخص ہے۔“

جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے پوچھا: کیا میرا رضاعی چچا زندہ ہوتا تو وہ بھی میرے ہاں آ سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»

”ہاں! رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔“ [2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب احادیث حرمتِ رضاع (دودھ کے سبب حرمت) کے ثبوت میں متفق ہیں اور امت کا بھی اجماع ہے کہ دودھ پینے والے بچے اور دودھ پلانے والی عورت کے درمیان یہ تعلق بحیثیت حرمت ثابت ہو جاتا ہے اور وہ بچہ اس عورت کا بیٹا بن جاتا ہے، اس لڑکے پر اس عورت سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ٹھہرتا ہے اور اسے اس عورت کے ساتھ تنہا ہونا، اس کی طرف دیکھنا یا اس کے ساتھ سفر کرنا حلال ہے، مگر اس سے حقیقی ماں والے تمام احکام ثابت نہیں ہوتے ہیں، مثلاً: یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، نہ ان میں کسی کے ذمے دوسرے کا نفقہ ہے، اگر وہ عورت اس آدمی کی ملکیت میں آ جائے تو آزاد نہ ہوگی، نہ اس کی گواہی اس عورت کے حق میں مردود ہوگی، نہ یہ اس عورت کی طرف سے دیت کا ذمہ دار ہوگا، نہ اس عورت سے قصاص ٹلے گا اگر یہ اس بچے کو قتل کر دے، چنانچہ ان احکام میں یہ ایک دوسرے کے لیے اجنبیوں کی طرح ہیں۔ علماء کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ ان احادیث کی روشنی میں یہ حرمت دودھ پلانے والی عورت اور دودھ پینے والے کی اولاد تک دونوں اطراف میں ہوتی ہے اور دودھ پینے والا اس عورت کے لیے اس کے نسبی بچے کی طرح ہے۔ اور وہ آدمی جس کی

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب......، حديث: 2645، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: 1447. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب: ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾، حديث: 5099، وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة مايحرم من الولادة، حديث: 1444 واللفظ له.

طرف اس عورت کا دودھ منسوب ہے، یعنی اس عورت کا شوہر، یا مالک جس نے ملک یمین کے تحت یا کسی شبہے میں اس سے مباشرت کی ہو تو ہمارا اور تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس بچے اور اس آدمی کے درمیان بھی تعلقِ حرمت ثابت ہو جائے گا اور یہ بچہ اس آدمی کے لیے اپنی اولاد جیسا ہی ہوگا۔ اور اس آدمی کی اولاد اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہوں گے، اس مرد کے بھائی اس بچے کے چچا اور اس کی بہنیں اس بچے کی پھوپھیاں بن جائیں گی، اسی طرح دودھ پینے والے بچے کی اولاد بھی اس آدمی کی اولاد ہی سمجھی جائے گی۔ اس مسئلے میں سوائے اہلِ ظاہر اور ابن علیہ کے اور کوئی مخالف نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بچے اور اس آدمی کے درمیان حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی۔ علامہ مازری نے ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾

''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے اور تمھاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں۔''

ان کا استدلال یہ ہے کہ یہاں بیٹی یا پھوپھی کا ذکر نہیں ہے (رضاعی بیٹی یا رضاعی پھوپھی نہیں کہا) جیسا کہ نسبی رشتوں کی حرمت میں بیٹی، پھوپھی وغیرہ کا صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔ مگر جمہور کا استدلال ان صحیح صریح احادیث سے ہے جن میں ام المومنین عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے چچا کا ذکر ہے کہ آپ نے ان کو اجازت دی اور فرمایا:

«إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»

''رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔''

اور جمہور نے ظاہریہ کے مذکورہ استدلالِ آیت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ رضاعی بیٹی یا پھوپھی وغیرہ کے حلال ہونے میں نص نہیں ہے، کیونکہ کسی شے کا ذکر اس بات کی دلیل نہیں کہ دوسری اشیاء جن کا ذکر نہیں ہوا، کسی معارض کے بغیر ان کا حکم ساقط ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے، حالانکہ صحیح احادیث آ چکی ہیں؟[1]

جناب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک خاتون سے شادی کی، بعد میں ہمارے ہاں ایک سیاہ رنگ کی عورت آئی۔ اس نے کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ ہمارے ہاں ایک کالی عورت آئی۔ اس نے بتایا ہے کہ میں تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہوں، یہ عورت جھوٹی ہے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھ سے منہ موڑ لیا، میں دوسری طرف سے آپ کے سامنے آیا اور عرض کی کہ یہ جھوٹی عورت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم اس عورت (اپنی بیوی) کو کیسے رکھ سکتے ہو

[1] شرح صحیح مسلم للنووي: 10/30.

جب کہ اس عورت کا خیال ہے کہ وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے، اس عورت کو چھوڑ دو۔" [1]

وہ مرد جس کے سبب سے دودھ آتا ہے، حرمت کا باعث ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے ہاں آنے کی اجازت چاہی، پردے کے احکام نازل ہو چکے تھے اور ابوالقعیس، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا تھا، میں نے اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے اپنا یہ طرز عمل آپ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے اجازت دے دوں۔ [2]

جناب عمرو بن شرید سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کی دو بیویاں ہوں اور ایک نے ایک لڑکے کو اور دوسری نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو کیا یہ لڑکا اس لڑکی سے نکاح کر سکے گا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں کیونکہ دودھ کا سبب ایک ہے۔ [3]

جناب عمرو بن دینار نے ابوشعثاء سے سنا کہ مرد جو دودھ کا سبب ہوتا ہے، حرمت کا باعث ہے۔ [4]

ابن جریج سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے جناب عطاء سے دریافت کیا کہ کیا مرد جو دودھ کا سبب ہوتا ہے، حرمت کا باعث ہے؟ کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ "اور تمھاری رضاعی بہنیں بھی حرام ہیں۔"

چنانچہ وہ باپ کی طرف سے تمھاری بہن ہے۔ [5]

رضاعت کب ثابت ہوتی ہے؟ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن مجید میں پہلے یہ حکم آیا تھا کہ دودھ واضح طور پر دس بار پیا ہو تو اس سے حرمت لازم آتی تھی، پھر اس تعداد کو پانچ بار کی تعداد سے منسوخ کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ واضح طور پر پانچ بار پیا ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہ آیات قرآن میں تلاوت کی جاتی تھیں۔ [6]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، القضاء، باب الشهادة على الرضاع، حديث: 3603، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في شهادة المرأة الواحدة في الرضاع، حديث: 1151. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب لبن الفحل، حديث: 5103، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: 1445. [3] [أثر صحيح] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في لبن الفحل، حديث: 1149، والموطأ للإمام مالك: 143/2، حديث: 1316، وسنن سعيد بن منصور، حديث: 966. [4] [أثر صحيح] المصنف لعبدالرزاق: 472/7. [5] [أثر صحيح] المصنف لعبدالرزاق: 471/7.
[6] صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: 1452، وسنن أبي داود، النكاح، باب هل يحرم مادون خمس رضعات، حديث: 2062. یعنی دس بار پینے کا حکم قرآن میں تھا، پھر ان آیات کی تلاوت و حکم دونوں منسوخ کر دیے »

امام ابن حزم لکھتے ہیں: مسئلۂ رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ پانچ بار پیا ہو اور ہر باری دوسری باری سے جدا ہو، یا اس طرح جدا جدا پانچ بار دودھ کی چسکیاں لی ہوں اور چسکی بھی ایسی جو کسی قدر بھوک مٹانے والی ہو ورنہ اس چسکی کا کوئی اعتبار ہوگا نہ اس سے کوئی حرمت ثابت ہوگی۔ اس کے بعد انھوں نے اہلِ علم کے اقوال ذکر کیے ہیں اور مخالفین اور ان کے دلائل کے جوابات بھی دیے ہیں۔[1]

رضاعت کبیر: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میرے شوہر ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام ہمارے ساتھ ہی ہمارے گھر میں رہتا ہے، حالانکہ وہ بالغ ہوگیا ہے، تو آپ نے فرمایا: «أَرْضِعِيهِ تَحْرُمِي عَلَيْهِ» ''اسے دودھ پلا دو (یوں) تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔''[2]

* یہ مسئلہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما ہی کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ أعلم.

عروہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی سب ازواج نے اس بات سے انکار کر دیا کہ اس طرح کی کسی رضاعت سے کوئی ان کے ہاں داخل ہو۔ انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ کی قسم! ہم سمجھتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سہلہ بنت سہیل کو جو کہا تھا، وہ صرف سالم ہی کے لیے رخصت تھی، اس طرح کی رضاعت سے ہمارے ہاں کوئی داخل نہیں ہوگا نہ ہمیں دیکھ سکے گا۔[3] یہ حدیث اپنی اسانید کی روشنی میں صحیح ہے۔

سسرالی رشتے کے باعث حرام ہونے والی عورتیں: بیوی کی ماں (ساس): جس عورت سے محض عقد (نکاح) ہی ہو تو اس کی ماں حرام ہو جائے گی، چاہے بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔

بیوی کی بیٹی (جو دوسرے خاوند سے ہو): جب بیوی سے ہم بستری ہو چکی ہو تو اس بیوی کی بیٹی حرام ہوگی۔ کسی عورت سے عقد (نکاح) کیا مگر ہم بستری نہ کی تو اسے طلاق دینے کی صورت میں اس کی بیٹی حلال ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾

''پھر اگر تم نے ان سے ہم بستری نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

* بیٹے کی بیوی: یہ محض عقد (نکاح) ہی سے حرام ہو جاتی ہے۔

» گئے جبکہ ناسخ پانچ بار پینے والی آیت تھی اور اس آیت کی تلاوت نبی ﷺ کی وفات کے بالکل قریب منسوخ ہوئی (حکم باقی ہے) بعض لوگوں کو اس کی تلاوت کے منسوخ ہونے کا علم جلد نہ ہو سکا، اس لیے آپ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد بھی یہ لوگ اس کی تلاوت کرتے رہے، بعد میں جب معلوم ہوا تو انھوں نے بھی تلاوت ترک کر دی۔ دیکھیے: منة المنعم:414/2. (عبدالولی) [1] المحلّٰی لابن حزم: 9/10. [2] صحیح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الکبیر، حدیث: 1453، ومسند أحمد :39,38/6و201. [3] [صحیح] سنن النسائي، النکاح، باب رضاع الکبیر، حدیث:3326، والموطأ للإمام مالك :145/2، حدیث:1324.

* باپ کی منکوحہ: جس عورت سے باپ نے محض عقد (نکاح) ہی کیا ہو تو وہ بیٹے کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

لونڈی آزاد ہو جائے تو اپنے معاملے کی مختار بن جاتی ہے: اس صورت میں وہ اپنے پہلے غلام شوہر سے رشتہ ازدواج رکھنے یا نہ رکھنے کی پوری طرح مجاز ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر غلام تھا۔ بریرہ کو (آزاد ہونے پر) رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام نے اختیار دے دیا کہ اس کے ساتھ رہے یا علیحدہ ہو جائے تو اس نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اختیار نہ دیتے۔[1]

مشرک میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مسلمان ہونا: مشرک میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور عدت (استبرائے رحم، یعنی ایک حیض انتظار کرنا) لازم ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے ساتھ دو حالتیں تھیں۔ یہ لوگ یا تو اہلِ حرب تھے کہ ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ دوسرے اہلِ عہد تھے، آپ ان کے ساتھ یا وہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے۔ اہلِ حرب میں سے کوئی عورت ہجرت کر کے آتی تو اسے اس وقت تک نکاح کا پیغام نہیں دیا جاتا تھا جب تک کہ اسے حیض نہ آ جائے اور وہ اس سے پاک نہ ہو جائے۔ پاک ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ نکاح جائز ہوتا تھا۔ اگر نکاح سے پہلے پہلے اس کا شوہر بھی ہجرت کر آتا تو اس عورت کو اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر آتی تو یہ لوگ آزاد ہو جاتے تھے اور انھیں وہی حقوق حاصل ہوتے تھے جو مہاجرین کے تھے۔[2]

اس آدمی کے نکاح کا حکم جو بیوی کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائے: وہ شخص جو اسلام لائے اور اس کی بیوی اس سے پہلے مسلمان ہوئی ہے اور عدت ختم ہونے کے بعد ابھی تک اس نے نکاح نہیں کیا ہے، اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے پہلے نکاح ہی کی بنیاد پر لوٹا دیا تھا، کوئی نئی چیز نہیں کی تھی۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ یہ واپسی چھ سال بعد ہوئی اور حسن بن علی کی روایت کے مطابق دو سال بعد ہوئی تھی۔[3]

---

[1] صحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، حديث: 1504. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب نكاح من أسلم من المشركات وعدتهن، حديث: 5287,5286. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب إلى متى ترد عليه امرأته إذا أسلم بعدها، حديث: 2240، ومسند أحمد: 217/1.

حق مہر اور اس کے احکام

* مہر کو اَلصَّدَاق بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ "صاد" پر زبر یا زیر دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے، یہ صِدق سے ماخوذ ہے، یعنی شوہر اس کے ذریعے سے اپنی دلہن کے لیے سچی رغبت و اخلاص کا اظہار کرتا ہے۔ یہ لفظ سات طرح سے پڑھا گیا ہے۔ اور مہر کے آٹھ نام ہیں جو اس شعر میں جمع ہو گئے ہیں:

صَدَاقٌ، وَمَهْرٌ، نِحْلَةٌ، وَفَرِيضَةٌ

حِبَاءٌ، وَأَجْرٌ، ثُمَّ عُقْرٌ، عَلَائِقُ [1]

حق مہر واجب ہے: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ﴾ "اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو۔" [2]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ﴾

"پھر جن سے مہر کے عوض تم فائدہ اٹھاؤ، انھیں ان کے مقرر کیے ہوئے مہر دے دو، اگر تم مہر مقرر کر لینے کے بعد اس (میں کمی بیشی) پر باہم راضی ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔" [3]

اور سورۂ ممتحنہ میں ہے: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ﴾

"اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو۔" [4]

خیال رہے کہ حق مہر عورت اپنے لیے لیتی ہے، اس کے اولیاء کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن مجید میں مذکور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے کہ مدین میں جس شیخ نے کہا تھا:

﴿ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ﴾

"میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کردوں کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے۔" [5]

یہ استدلال کرے کہ ولی عورت کا حق مہر لے سکتا ہے تو میری طرف سے اس کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ

---

[1] صَدَاق، صِدَاق، صَدَقَة، صَدُقَة، صُدُقَة، صُدْقَة، صَدْقَة (تاج العروس)، و الروض المربع: 363/6. [2] النسآء 4:4.
[3] النسآء 24:4. [4] الممتحنة 10:60 [5] القصص 27:28.

ہم سے پہلی شریعت کا واقعہ ہے، ہماری شریعت میں یہ ہے کہ مہر عورت کا حق ہے، چنانچہ ان کی دلیل باطل اور طمع ساقط ہے۔

حق مہر جلدی دے دیا جائے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اسے کچھ دو۔'' تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: «فَأَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟» ''تمھاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟'' [1]

مستحب ہے کہ حق مہر کم ہو: سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کے ایک چھلے کے بدلے ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے کر دیا تھا۔ [2]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ» ''بہترین مہر وہی ہے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔'' [3]

مہر مثل: جس عورت کا حق مہر مقرر نہ ہوا ہو تو اس کا مہر دخول کی صورت میں اس جیسی عورتوں کے برابر ہوگا۔ جناب علقمہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا مگر اس کے لیے حق مہر مقرر نہیں کیا، نہ اسے بیوی سے یکجائی کی نوبت آئی حتی کہ وہ فوت ہو گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے لیے مہر اس علاقے کی عورتوں کے برابر ہے، کم نہ زیادہ، وہ عدت بھی گزارے اور وہ وراثت کی حق دار بھی ہے۔ اس بات پر معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا نامی ہمارے قبیلے کی ایک عورت کے بارے میں بھی اسی طرح کا فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا ہے۔ تو اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بہت خوشی ہوئی۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حق مہر کی مالیت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہمارے مہر دس اوقیہ ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ ایک ساتھ ملائے اور بتایا کہ وہ چار سو

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها شيئًا، حديث: 2125، وسنن النسائي، النكاح، باب نحلة الخلوة، حديث: 3377. [2] [صحيح] المستدرك للحاكم: 178/2، حديث: 2733. [3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا حتى مات، حديث: 2117، والمستدرك للحاكم: 182/2، حديث: 2742 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا حتى مات، حديث: 2116، وسنن النسائي، الطلاق، باب عدة المتوفى عنها زوجها......، حديث: 3554، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها، حديث: 1145، ومسند أحمد: 280,279/4.

(درہم) کے برابر تھے۔[1]

اپنے ذمے استطاعت سے زیادہ مہر لینے کی مذمت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا:

«هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ فَإِنَّ فِي عُيُونِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا»

''کیا تو نے اسے دیکھا بھی ہے؟ انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ ہے۔''

اس نے کہا: میں نے اسے دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا:

«عَلٰى كَمْ تَزَوَّجْتَهَا؟» ''کتنے مہر پر شادی کی ہے؟''

کہا: چار اوقیے (چاندی) پر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلٰى أَرْبَعِ أَوَاقٍ؟ كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هٰذَا الْجَبَلِ، مَا عِنْدَنَا مَا نُعْطِيكَ، وَلٰكِنْ عَسٰى أَنْ نَبْعَثَكَ فِي بَعْثٍ تُصِيبُ مِنْهُ»

''چار اوقیے پر؟ گویا تم اس پہاڑ کے پہلو سے چاندی تراشتے ہو؟ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو ہم تمھیں دے سکیں لیکن یہ ممکن ہے کہ تمھیں کسی مہم پر بھیج دیں تو تمھیں وہاں سے کچھ مل جائے۔''

چنانچہ بنی عبس کی طرف جو مہم بھیجی گئی، اس میں اسے روانہ کیا گیا۔[2]

ایک اوقیہ چاندی کے 40 درہم کے برابر ہوتا ہے۔ اور چاندی کا ایک درہم 2.975 گرام کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک اوقیہ ایک سو انیس گرام چاندی کے برابر ہوتا ہے۔

تنگ دست کے ساتھ اس حصۂ قرآن کے بدلے نکاح کر دینا جو اسے یاد ہو: سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (حدیث طویل ہے، اس میں ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس شخص سے) دریافت فرمایا: ''کیا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں! مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تیرا اس قرآن کے بدلے جو تجھے یاد ہے، اس عورت سے نکاح کر دیا۔''[3]

آدمی کے مسلمان ہونے کو حق مہر بنانا: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سُلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا

[1] [صحيح] سنن النسائي، النكاح، باب القسط في الأصدقة، حديث: 3350 و 3368، ومسند أحمد: 368,367/2، والسنن الكبرى للبيهقي: 235/7. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب ندب من أراد نكاح امرأة إلى أن ينظر إلى وجهها......، حديث: 1424. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب التزويج على القرآن وبغير صداق، حديث: 5149.

تو ان کا حق مہر ابوطلحہ کا مسلمان ہونا ہی تھا۔ ام سُلیم ابوطلحہ سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔ ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تو ام سلیم نے کہا: میں مسلمان ہو چکی ہوں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ یہی چیز ان دونوں کے درمیان حق مہر بن گئی۔[1]

آزادی کو بھی حق مہر بنایا جا سکتا ہے: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تو اس کی آزادی کو اس کا حق مہر قرار دیا۔[2]

نکاح کر لینے والے کی اللہ مدد فرماتا ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَوْنُهُمْ: الْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ»

"اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے آدمیوں کی مدد کرنا اپنے ذمے لے رکھا ہے: مکاتب غلام جو ادائیگی کرنے کا عزم رکھتا ہو، نکاح کرنے والا جو عفت کی زندگی گزارنا چاہتا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔"[3]

ولیمہ اور اس کے احکام

لفظ ولیمہ وَلْمٌ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: "جمع ہونا" کیونکہ یہ دعوت زوجین کے اجتماع کی مناسبت ہی سے دی جاتی ہے۔ اس سے أَوْلَمَ کا فعل بنا ہے۔ اور ہر اس طعام اور دعوت کو ولیمہ کہتے ہیں جو کسی خوشی کی بنا پر ہو۔ شادی کا ولیمہ زفاف اور ملکیت کی مناسبت سے ہوتا ہے۔[4]

شادی کا ولیمہ ایک بکری یا اس سے زیادہ پر مشتمل ہونا مستحب ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (کے لباس) پر زرد رنگ کا اثر دیکھا تو دریافت فرمایا: «مَا هٰذَا؟» "یہ کیا ہے؟" انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے شادی کی ہے اور گٹھلی کے برابر سونا مہر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: «فَبَارَكَ اللهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» "اللہ تجھے برکت دے، ولیمہ کرو خواہ ایک ہی بکری کا ہو۔"[5]

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، النكاح، باب التزويج على الإسلام، حديث: 3342. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب من جعل عتق الأمة صداقها، حديث: 5086 و5169، وصحيح مسلم، النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، حديث: 1365 بعد الحديث: 1427. [3] [حسن] سنن النسائي، النكاح، باب معونة الله الناكح الذي يريد العفاف، حديث: 3220، وجامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في المجاهد والناكح......، حديث: 1655. [4] تهذيب اللغة للأزهري: 406/15. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب الوليمة ولو بشاة، حديث: 5167، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصّداق وجواز كونه تعليم قرآن......، حديث: 1427 واللفظ له.

ولیمے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا»

”جب کسی کو ولیمے کی دعوت دی جائے تو اسے یہ دعوت قبول کر کے اس میں حاضر ہونا چاہیے۔“ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ»

”جب کسی کو دعوت دی جائے تو قبول کر لے، روزے سے ہو تو دعا کرے، روزہ نہ ہو تو کھانا کھائے۔“ [2]

بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا

کسی ایک بیوی کی طرف جھکاؤ حرام ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ»

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔“ [3]

بیوی کنواری ہو تو ابتدا میں اس کے لیے سات دن اور غیر کنواری کے لیے تین دن: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب آدمی غیر کنواری بیوی پر کسی کنواری سے شادی کر لے تو اس کے ہاں سات دن ٹھہرے، اس کے بعد (اوقات کی) تقسیم اور باری شروع کرے، اگر غیر کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے، پھر باری شروع کرے۔ [4]

بیوی اپنی باری سے دست بردار ہو سکتی ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دو دن دیا کرتے تھے، ایک ان کا اپنا دن اور دوسرا سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب حق إجابة الوليمة......، حديث: 5173، وصحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1429. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1431. [3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2133، ومسند أحمد: 2/347 و471. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب إذا تزوج الثيب على البكر، حديث: 5214، وصحيح مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب......، حديث: 1461. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها......، حديث: 5212، وصحيح ◄◄

دن کے وقت آدمی اپنی تمام بیویوں کے پاس جا کر حال احوال پوچھے: جماع نہ کرے اور رات اس کے پاس گزارے جس کی باری ہو، جناب عروہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے بھانجے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ٹھہرنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، آپ اکثر ہم سب کے پاس روزانہ تشریف لاتے تھے، ہر ایک کے قریب ہوتے تھے، بغیر اس کے کہ مباشرت کی کیفیت ہو یہاں تک کہ آپ (آخر میں) اس بیوی کے پاس پہنچتے جس کی باری ہو اور آپ اس کے ہاں رات بسر فرماتے۔ [1]

بیویوں کے لیے قرعہ اندازی: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرنا چاہتے تو اپنی عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، تو جس کی باری نکل آتی، آپ اسے ساتھ لے جاتے۔ [2]

عورت کی دبر میں مباشرت حرام ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا فَقَدْ كَفَرَ»

”جو شخص بیوی سے ایام حیض میں یا اس کی دبر میں مباشرت کرے تو اس نے کفر کیا۔“ [3]

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ»

”بے شک اللہ حق سے نہیں شرماتا، یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی، تم اپنی بیویوں سے دبر میں جماع مت کرو۔“ [4]

عزل جائز ہے مگر اس سے احتراز بہتر ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ [5]

جدامہ بنت وہب، جو عکاشہ کی بہن ہیں رضی اللہ عنہا، بیان کرتی ہیں کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو لوگوں نے آپ سے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

مسلم، الرضاع، باب جواز هبتها ......، حديث: 1463. [1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2135، والمستدرك للحاكم: 186/2، حديث: 2760. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب هبة المرأة ......، حديث: 2593، وصحيح مسلم، التوبة، باب في حديث الإفك......، حديث: 2770. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الكهانة، باب في الكهان، حديث: 3904، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كراهية......، حديث: 135، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب النهي عن إتيان الحائض، حديث: 639، والمصنّف لابن أبي شيبة: 523/3، حديث: 16803 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن ابن ماجه، النكاح، باب النهي عن إتيان النساء......، حديث: 1924، ومسند أحمد: 213/5 و215. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، حديث: 5209، وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، حديث: 1440.

«ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ» ”یہ (عمل) مخفی طور پر زندہ دفن کرنا ہے۔“ [1]

شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق

بھلے انداز میں معقول و معروف طریقے سے زندگی گزارنا: سورۂ نساء میں اللہ عزوجل کا ارشاد عالی ہے:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ”اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔“ [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورت کی مثال پسلی جیسی ہے، اگر تو نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر یوں ہی رہنے دے تو تو اس سے فائدہ اٹھا سکے گا، اس حال میں کہ اس میں ٹیڑھ ہوگی۔“ [3]

شوہر کو اطاعتِ الٰہی میں بیوی کی معاونت کرنی چاہیے: شوہر کو اللہ عزوجل کی اطاعت کرنے میں بیوی کا معاون بننا چاہیے اور اسے اللہ کی توحید اور عبادات کے طریقوں سے آگاہ کرتے رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾

”اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔“ [4]

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم آپ کے پاس بیس راتیں رہے، آپ انتہائی رحمدل اور شفیق تھے، جب آپ نے ہم میں اپنے گھر والوں کی طرف اشتیاق و شوق کو محسوس کیا تو فرمایا: ”واپس جاؤ، اپنے اہل میں رہو، انھیں تعلیم دو اور نماز کی پابندی کرو، جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو تم میں بڑا ہو، وہ تمھاری امامت کرائے۔“ [5]

شوہر، بیوی کے معاملے میں غیرت مند اور حیادار ہو: شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کے معاملے میں غیرت مند بنے۔ اسے کسی ایسی صورتِ حال سے دوچار نہ کرے جو اسے بے حیا بنائے یا اس کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے والی ہو۔ اس کے معاملے میں غیرت مند ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے متعلق برے گمان رکھے اور اس نیت

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب جواز الغيلة...... وكراهة العزل، حديث :1442 . [2] النسآء 4:19 . [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الوصاة بالنساء، حديث :5186، وصحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث:1470 واللفظ له.
[4] التحريم 66:6. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب من قال: ليؤذن في السفر مؤذنٌ واحد، حديث :628، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة؟ حديث :674.